جلد 11 شمارہ 8 جون 2009ء جمادی الثانی 1430ھ

ماہنامہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝
وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

(الاحزاب۔ 42,41)

اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو
اور صبح و شام اِس کی تسبیح کیا کرو۔

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : میاں علی رضا

ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق
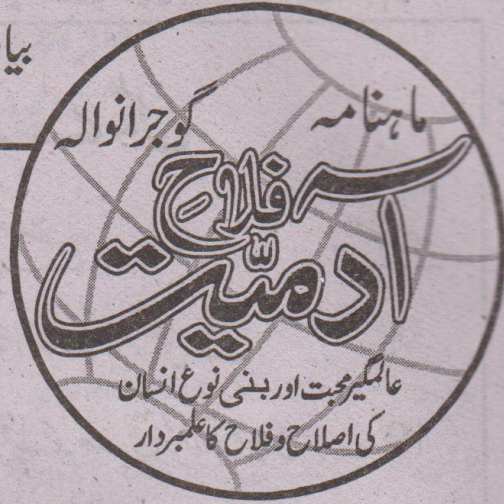


شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-3003304

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ——— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپواکر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

# اس شمارے میں

# درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

## بڑا ظالم کون؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

**ومن اظلم ممن ذکر بایت ربه فاعرض عنها و نسی ما قدمت یده۔ انا جعلنا علی قلوبهم اکنة ان یفقهوه و فی اذانهم وقرًا وان تدعهم الی الهدی فلن یهتدوا اذًا ابدًاo**

**وربك الغفور ذوالرحمة لو یواخذهم بما کسبوا لعجل لهم العذاب ۔ بل لهم موعدلن یجدوا من دونه موئلًاo**

''اور اِس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اِس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ ان سے منہ پھیر لے اور اِس برے انجام کو بھول جائے جس کا سرو سامان اِس نے اپنے لئے اپنے ہاتھوں سے بنا رکھا ہے ۔جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے، اِن کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انہیں قرآن کی بات سمجھنے نہیں دیتے اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے ۔تم انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہیں پائیں گے ۔تیرا رب بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے ۔وہ ان کی کرتوتوں پر اگر انہیں پکڑنا چاہتا تو جلد ہی عذاب دیتا ۔مگر ان کیلئے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی اور کوئی راہ نہ پائیں گے۔ یہ عذاب رسیدہ بستیاں تمہارے سامنے موجود ہیں ۔انہوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان میں سے ہر ایک کی ہلاکت کیلئے ہم نے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا''۔ (الکہف۔57-58)

مذکورہ آیت کریمہ میں سب سے بڑھ کر ظالم اِس کو کہا گیا ہے جس تک اللہ کا کلام پہنچا دیا گیا اور اِس نے اِس پر عمل نہ کیا۔ دورِ حاضر میں تو ہر گھر ہی میں مصحف موجود بھی ہے ۔لیکن وہ غلافوں میں لپٹا رہا اور اِس شخص کو کبھی یہ ہوش نہ آیا کہ قرآن کی یہ جلد غلافوں میں لپیٹنے کیلئے نہیں بلکہ پڑھنے، سمجھنے، تدبر و تفکر اور عمل کرنے کیلئے ہے ۔اور یاد رکھئے! اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ جو اس

قرآن پر غور نہیں کرتا، سمجھتا نہیں، اس پیغام کو وصول نہیں کرتا تو اس کے دل پر بھی غلاف چڑھا دیا جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی غلاف چڑھا دیئے ہیں۔ بلکہ یہ اس وقت کہ جب قرآن سے انہوں نے منہ موڑا، اس کو پڑھنے اور سمجھنے سے مسلسل اعراض کرتے رہے تو اللہ نے ان کا راستہ روک دیا اور جب یہ صورتِ حال ہو جائے تو پھر ہدایت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ نبی بھی ہدایت کیلئے ان کو بلاتا رہے تو وہ ہدایت نہیں پاتے اور پھر فرمایا کہ اگر اس کے باوجود ہم ان کو عذاب نہیں دے رہے ہیں تو یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم عذاب نہیں دیا کرتے بلکہ ہم فوری طور پر عذاب نہیں دیا کرتے۔ ہم نے عذاب کا ایک وقت طے کر رکھا ہے اور اس وقت تک انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو پھر عاد و ثمود کی بستیوں کو دیکھو۔ ان عذاب رسیدہ علاقوں کو دیکھو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ یہ لوگ قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ آپ اگر کبھی عاد و ثمود کی بستیوں کو تبوک جاتے ہوئے راستے میں دیکھیں تو آپ کو حیرت ہوگی کہ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر پہاڑوں کے اندر مکان بنائے ہوئے ہیں جو فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہیں۔ چار، پانچ ہزار سال پہلے سے اب تک یہ مضبوط مکانات ویسے ہی موجود ہیں۔ لیکن ڈر کے مارے اب ان میں کوئی نہیں جاتا کہ وہ آج بھی اللہ کے عذاب کا مظہر بنے ہوئے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا بھی کہ عذاب کی جگہ پر نہ ٹھہرنا چاہئے بلکہ وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانا چاہئے۔ آپ غزوہ تبوک کیلئے جا رہے تھے دورانِ سفر میں جب یہ بستیاں آئیں تو آپؐ نے حکم فرمایا کہ اس مقام سے تیزی کے ساتھ گزر جاؤ اور یہاں راستے میں کوئی کنواں وغیرہ ہو تو اس سے پانی بھی نہ پینا۔ یہ عذاب کی جگہ ہے اور اس کا اثر تم پر بھی ہوگا۔

## قصہ خضر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

**فوجدا عبدًا من عبادنا اتینه رحمة من عندنا و علمنه من لدنا علماo قال له موسی هل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدًاo قال اِنك لن تستطیع معی صبرا o وكیف تصبر علی مالم**

تحط به خبرًا o قال ستجدنی ان شاء اللّٰہ صابرًا ولا اعصی لک امرا o قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منه ذکرا o فانطلقا حتی اذا رکبا فی السفینة خرقها قال اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شیئًا اِمرا o قال الم اقل اِنک لن تستطیع معی صبرًا o (الکہف65-82)

''وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا۔ جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اِن سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے بھی اِس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔ اِس نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ سفر نہیں کر سکتے۔ بھلا جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو، اس پر صبر کیسے کر سکتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ خضر نے کہا: اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ کروں۔ اب وہ دونوں روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے تو اِس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا موسیٰ نے کہا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تا کہ تمام کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی۔ اُس نے کہا: میں نے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بھول چوک پر مجھ کو نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں آپ ذرا سختی سے کام نہ لیں۔ پھر وہ دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو ایک لڑکا ملا۔ اِس شخص نے اِسے قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: آپ نے ایک بے گناہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اِس نے کسی کا خون نہ کیا تھا۔ یہ کام آپ نے بہت برا کیا۔ اِس نے کہا: میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ نے کہا: اِس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ لیجئے اب میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا۔ اِس کے بعد وہ پھر آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچ گئے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ مگر انہوں نے ان دونوں کی ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی۔ اِس شخص نے اِس دیوار کو پھر سے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ

السلام نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اِس کام کی اُجرت لے سکتے تھے۔ اِس نے کہا: بس میرا اور تمہارا ساتھ ختم ہوا۔ اب میں تم کو اِن باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں۔ جب پر تم صبر نہ کر سکے۔ اِس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اِسے عیب دار کر دوں کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو چھین لیتا تھا۔ رہا وہ لڑکا تو اِس کے والدین مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی نافرمانی اور سرکشی کے باعث ان کو تنگ کرے گا۔ اِس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اِس کے بدلے ان کو ایسی اولاد عطا کرے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی متوقع ہو۔ (اِس لئے اِس لڑکے سے ان کی جان چھڑا دی۔ انہیں اور اولاد عطا ہوگی۔) اِس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو لڑکوں کی ہے جو اِس شہر میں رہتے ہیں۔ اِس دیوار میں ان لڑکوں کیلئے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ (کہیں ایسا نہ ہو کہ اِنکے بالغ ہونے سے پہلے دیوار گر جائے، جگہ پھٹ جائے اور خزانہ ظاہر ہو جائے۔) یہ تمہارے رب کی رحمت کی بناء پر کیا گیا ہے میں نے اپنے اختیار سے کچھ بھی نہیں کیا''۔

قرآنِ مجید میں خضر علیہ السلام کے بارے میں ''**عبد من عبادنا**'' (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کا لفظ اِستعمال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ مذکور نہیں کہ یہ واقعہ کسی مقام پر، کسی سمندر کے کنارے اور کسی بستی میں ہوا، قرآن اِس کے بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید اخلاقی تعلیم کیلئے لازوال کتاب ہے، اِس لئے واقعے کے اخلاقی پہلو بتا دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جتلانے کیلئے کہ ایک نظامِ زندگی تم دیکھ رہے ہو اور اِس کے اندر قوانین اور احکامات ہم نے شریعت کی صورت میں تمہیں دیئے ہیں اور ایک نظام ہم بھی چلاتے ہیں مگر اپنے فرشتوں کے ذریعے، اپنے تکوینی امور پہ معین بندوں کے ذریعے۔ وہ ذرا مختلف نظام ہے۔ وہ یوں کہ جاتے جاتے کسی کی کشتی میں چھید کر ڈالا کیونکہ کشتی کو بچانا مقصود تھا۔ جاتے جاتے ایک بچے کو مار دیا۔ اِس کے والدین کو اس کے شر سے بچانا مقصود تھا۔ دو یتیم بچوں کو خزانہ ایک جگہ پوشیدہ تھا، اِس پر موجود دیوار گر رہی تھی اور خزانہ ظاہر ہونے کا خطرہ تھا تو اللہ نے نبی اور

ولی کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر دیوار بناؤ۔ اِن بچوں کا والد نیک آدمی تھا۔ معلوم ہوا کہ والدین میں سے اگر کوئی نیک آدمی ہو تو اولاد کو اِس کا فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔

## قرآنی اسلوبِ تاریخ

اِن آیات میں تین واقعات بیان ہوئے ہیں ایک کشتی میں چھید کرنے، ایک بچے کو مارنے کا اور ایک دیوار تعمیر کرنے کا۔ قرآنِ مجید تاریخ کی کتاب نہیں لیکن اِس میں تاریخی واقعات کا بیان ضرور ہے۔ اور اِس کیلئے ایک انوکھا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ہم نے بچپن میں تاریخ پڑھی جس میں سن، جگہوں اور انسانوں کے ناموں کو یاد کر کے ہمارا دماغ تھک گیا اور پھر پتا یہ چلا کہ ان سب ناموں کا یاد کرنا بیکار چیز تھی۔ فضول وقت برباد ہوا۔ پھر یہ کہ کسی شخصیت نے کتنی شادیاں کیں، وہ چوگان کھیلتے ہوئے مر گیا، وہ بیوی کو انگور کھلا رہا تھا کہ انگور اس کے حلق میں پھنس گیا اور بیوی مر گئی اور پھر وہ بھی اِس فراق میں مر گیا وغیرہ وغیرہ۔ بے کار چیزیں یاد کرتے رہے حالانکہ ہمیں اِس سے کیا؟ بے کار اور فضول واقعات جن کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو رٹا لگوا کر ہمارے دماغ کا ستیاناس کیا گیا، بلاوجہ زندگی برباد کی گئی۔ قرآنِ مجید کو دیکھیں کہ تاریخ کیلئے اندازِ بیان کتنا خوبصورت ہے۔ کسی جگہ کا نام نہیں بتایا۔ دریاؤں اور اِس علاقے کا نام تک مذکور نہیں حتیٰ کہ اِس شخص کا نام جسے ہم خضر کہتے ہیں کہیں بھی نہیں بتایا نیز یہ وضاحت بھی نہیں کہ وہ نبی تھا، فرشتہ تھا یا کچھ اور ہے؟ بس وہ حصہ بتایا جس سے ہمارا تعلق ہے اور اِس سے ہمیں سبق لینا اور عبرت حاصل کرنا ہے اور وہ بھی اِس لئے کہ پتا چل جائے کہ دنیا میں جو واقعات و حادثات ہوتے ہیں، وہ انسان کی تدبیر سے نہیں بلکہ ان میں زیادہ دخل اللہ کی تدبیر کا ہوتا ہے اور اِس میں اتنی مصلحتیں ہوتی ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

## خدائی مصلحتیں

مذکورہ واقعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھانے کیلئے تھا کہ ہم اِس کائنات کو کس طرح چلا رہے ہیں اور ہر کام میں کیسی مصلحتیں پوشیدہ ہیں کہ اللہ کا رسول بھی دیکھے تو چونک اُٹھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ اگر کشتی میں چھید نہ کیا جاتا تو ان بے چارے لوگوں کی کشتی چھن جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کشتی کی حفاظت کیلئے اِس میں چھید کروا دیا اور چند منٹ میں انہوں نے

کشتی کی پھر مرمت کر لی اور اس طرح کشتی بچ گئی ۔ اِس کے بعد ایک شخص کی اولاد خاص عمر میں واپس لے لی اور اس کے والدین کو صبر کا پھل دیا، روحانی مقامات طے کروائے اور پھر ایسی اولاد دی جو صلہ رحمی اور محبت کرنے والی تھی ۔ تیسرے واقعے میں ایک شخص کی نیکی کا لحاظ اللہ تعالیٰ یوں کر رہے ہیں کہ اِس کی اولاد اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اس کی پانچویں پشت میں اِسکی اولاد کی اللہ تعالیٰ نے ایسی حفاظت فرمائی کہ ایک نبی اور ایک بزرگ کو دیوار کی مرمت پر مامور کر دیا جنہوں نے اُجرت بھی نہیں لی ۔ الحاصل یہ کہ دنیا کا نظام اِس تدبیر اور منصوبے کے ساتھ چل رہا ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ۔ یہ اِسکی حکمت کے معاملات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالا ہیں ۔

## 3۔ قصہ ذُوالقرنین

اِس کے بعد ذُوالقرنین کا واقعہ ہے ۔ ایک بادشاہ جس نے اللہ کا حکم اور شریعت کو اپنے ملک میں نافذ کیا اور لوگوں کو یاجُوج اور ماجُوج کے ظلم سے بچایا ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

**ویسئلونك عن ذی القرنین ۔ قل ساتلو علیکم منه ذکرًاo انا مکناله فی الارض واتینه من کل شیء سببا o فاتبع سبباo حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئة ووجد عندھا قوما ۔ قلنا یذاالقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا oقال اما من ظلم فسوف نعذب ثم یرد الی ربه فیعذبه عذابا نکرًا oواما من امن و عمل صالحا فله جزاء الحسنی و سنقول له من امرنا یسرا oثم اتبع سببا o حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا o کذلك وقد احطنا بما لدیه خبرا o ثم اتبع سببا oحتی اذا بلغ بین السدین وجدمن دُونھما قوما لا یکادون یفقھون قولاo قالوا یذا القرنین ان یاجوج وما جوج مفسدون فی الارض فھل نجعل لك خرجا علی ان تجعل بیننا و بینھم سداo قال ما مکنی فیه ربی خیر فاعینونی بقوة اجعل بینکم و بینھم ردماo**

**اتونی زبر الحدید ۔ حتی اذا ساوی بین الصدفین قال انفخوا حتی اذا جعلہ نارا قال اتونی اُفرغ علیہ قطراo فما اسطاعوا ان یظھروہ وما استطاعوا لہ نقباo قال ھذا رحمة من ربی فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء وکان وعد ربی حقًاo**(الکہف83-98)

''اور وہ آپ سے ذُوالقرنین کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ میں اِس کا کچھ حال تمہیں سناتا ہوں۔ ہم نے ذُوالقرنین کو روئے زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہم نے اِن کو ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا۔تو اِس نے ایک سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے موقع پر پہنچا،تو اس کو پایا کہ ایک سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے اور اس کے پاس ایک قوم دیکھی ۔ہم نے کہا: اے ذُوالقرنین !تم ان کو سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نیکی کا رویہ اختیار کرو ۔ذُوالقرنین نے کہا کہ جو ظلم کرے گا اس کو ہم سزا دیں گے۔ پھر جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹے گا،تو وہ اس کو سخت سزا دے گا اور جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو اِس کیلئے اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملہ میں نرمی کا برتاؤ کریں گے۔پھر ذُوالقرنین نے دوسرے سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ سورج کے نکلنے کی جگہ پر پہنچا،تو اس کو پایا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے جن کیلئے سورج کے اس طرف ہم نے کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی ۔ یہ حقیقت ہے اور جو کچھ ذُوالقرنین کے پاس تھا وہ ہم کو خوب معلوم تھا۔پھر ذُوالقرنین نے تیسرے سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا،تو اِن کے اِس طرف ایک قوم دیکھی جو بات کو نہیں سمجھ سکتی تھی ۔اُنہوں نے کہا: اے ذوالقرنین !یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے ہیں ۔کیا آپ کیلئے اگر ہم کچھ چندہ جمع کر دیں کہ آپ ان کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟ ذُوالقرنین نے کہا: وہ مال جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہت ہے،تو تم مجھے اپنی قوت بازو سے مدد دو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا ۔تم لوہے کے بڑے بڑے تختے لاؤ (کام جاری ہو گیا) یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑیوں کے درمیان کا حصہ برابر کر دیا تو کہا اب اس کو دھونکو، یہاں تک کہ اِس کو آگ بنا دیا ۔پھر کہا اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں ۔پھر اُن میں یہ قدرت نہ رہی کہ اِس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اِس میں

نقب لگا سکیں ۔ذُوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی طرف سے مہربانی ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آ پہنچے گا تو اِس کو ڈھا کر ہموار کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے"۔

## قیامت کا منظر

اِس سورۃ کے آخر میں پھر کچھ آیات ایسی آتی ہیں جن پر اگر غور و تدبر کا موقع مل جائے تو انسان کا دل دہل جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

**قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً ٥الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا و هم يحسبون انهم يحسنون صنعًا٥ اُولئك الذين كفروا بايت ربهم ولقائه فحبطت اعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيمة وزنا٥ ذلك جزءُ هم جهنم بما كفروا واتخذوا ايتى ورسلى هزوا٥ اِن الذين امنوا و عملوا الصلحت كانت لهم جنت الفردوس نزلاً٥ خلدين فيها لا يبغون عنها حولاً٥ قل لو كان البحر مدادا لكلمت ربى لنفد البحر قبل ان تنفد كلمت ربى ولو جئنا بمثله مددا ٥قل انما انا بشر مثلكم يوحى انما الهكم اله واحد فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدًا٥** (الکہف103-110)

"اے محمد! (ﷺ) اُن سے کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون سے ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جہد راہِ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اِس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔اِس لئے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے ۔قیامت کے روز ہم ان کو کوئی وزن نہ دیں گے۔ان کی جزا جہنم ہے، اِس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور اِس مذاق کی پاداش میں جو وہ میری آیات اور میرے رسولوں کے ساتھ کرتے رہے۔البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، اُن کی میزبانی کیلئے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اِس جگہ سے نکل کر کہیں جانے

کوان کا جی نہ چاہے گا۔ اے محمد (ﷺ) کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے گی مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے گی ۔ اے محمد (ﷺ) کہو کہ میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک اللہ ہی ہے ۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اِسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور بندگی میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے''۔

## ایک اختلافی مسئلے کا حل

آخری آیت کے الفاظ اور ان کے ترجمے پر بار بار غور فرمایئے ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے ہمارے سارے اختلافات کو حل کر دیا مگر صد افسوس کہ ہم نہ اس کو پڑھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی جانب توجہ کرتے ہیں اور ہماری اس لاعلمی کا فائدہ اُٹھا کر مفاد پرست طبقہ ہمیں باہم دست و گریبان رکھے ہوئے ہے۔

اِس آیت میں بڑے اختصار اور یقین کے ساتھ رسالت کی بابت جو دنگل ہے، اِس کو ختم کر دیا کہ نبی بشر ہوتا ہے یا نور تو بات سمجھ لیجئے کہ اپنی خلقت اور جسمانی ہیئت و تخلیق کے اعتبار سے ہر نبی انسان یعنی بشر ہے ۔ اُس کا نسب ، اُس کی اولاد اور رشتے ناطے انتہائی محفوظ انداز سے مفسرین، محدثین اور مورخین نے بیان کر دیئے ۔ ان انبیاء کی تعلیمات نورانیت سے لبریز بلکہ تاریک دلوں کو منور کرنے والی ہوتی ہیں اور بس ۔

جو حضرات نور و بشر کا مسئلہ پیدا کر کے اُمت میں افتراق پیدا کرتے ہیں، ان سے صرف اتنی گزارش ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور محدثین کرامؒ نے تو یہ مسئلہ نہیں اُٹھایا ۔ ہم آپس میں کیوں لڑتے جھگڑتے ہیں؟

حضورِ اکرم ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی ! اِس مسئلہ کو اُٹھانا اور انتشار پیدا کرنا حضور ﷺ سے غداری ہے ۔ میرے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے:۔

جسم منور نورِ مجسم
صلی اللہ علیک وسلم

# خِرد چلی قدم قدم

محمد صدیق ڈار توحیدی

## نباتات میں سبز مادے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زمین پر وافر مقدار میں پانی نازل فرمایا جس کے باعث روئیدگی ہوئی اورانواع واقسام کی جڑی بوٹیاں، پودے اور درخت پیدا ہوئے۔پانی نباتات کی جڑوں، ٹہنیوں اور پتوں کی رگ رگ میں موجود ہوتا ہے۔سورج کی روشنی اور پانی کے ردِعمل سے نباتات میں نہایت ہی اہم ایک سبز رنگ کا مادہ پیدا ہوتا ہے جسے ''کلوروفِل'' کہتے ہیں۔اسی کے ذریعے نباتات میں دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔آج سے چودہ سو برس قبل اس سبز مادے کی تخلیق، غرض وغایت اوراہمیت کے بارے میں کسی انسان کوعلم نہ تھا۔لیکن اللہ علیم وخبیر جو ہر شے کا خالق اور ہر چیز کی حقیقت سے آگاہ ہے اِس نے اپنی آخری کتاب میں اس سبز مادے کی حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان فرمادیا۔چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت 99 میں ارشادفرمایا:۔

**وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ**

ترجمہ''اللہ وہی تو ہے جوآسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی اُس سے ہر طرح کی روئیدگی اُگاتے ہیں پھر ہم ہی اِس میں سے ایک سبز مادہ( کلوروفِل ) نکالتے ہیں جس سے ہم ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں''۔

## اِنسانی جلد اور حرارت کا احساس

حواسِ خمسہ میں سے دیکھنے، سننے، سونگھنے اور چکھنے کا عمل بالترتیب آنکھ، کان، ناک اور زبان کے توسط سے واقع ہوتا ہے۔جسم کا دوسرا کوئی حصہ ان کی جگہ کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔اِن حواس کے برعکس لمس یعنی چھونے کی حس جس کے ذریعے چیزوں کی نرمی سختی اوران کی گرمی سردی کا احساس ہوتا ہے سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔بالوں اور ناخنوں کے سواجسم کے کسی بھی حصے کے ساتھ کوئی چیز مس کر جائے تو اس کی سطح کی کیفیت اور درجہ حرارت کا احساس انسان کو ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حرارت کا احساس کرنے والا نہایت ہی حساس نازک نظام انسان کی جلد کے نیچے چھپا رکھا ہے۔چند برس پہلے سعودی عرب میں ماہرین

جلد کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تو حرارت کو محسوس کرنے والے نظام کے بارے میں ایک مسلمان ڈاکٹر نے ایک قرآنی آیت پیش کی تو چین کا ایک ماہر جلد اتنا متاثر ہوا کہ قرآن کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے فوراً مسلمان ہوگیا۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے:۔

**اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا‌ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا** o (النساء۔56)

''جن لوگوں نے ہماری نشانیوں سے انکار کیا۔ ہم عنقریب انہیں آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم اُن کو دوسری کھالوں سے بدل ڈالیں گے تاکہ وہ مسلسل عذاب کو محسوس کرتے رہیں۔ بےشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

اِس چینی ڈاکٹر نے یہ اعتراف کیا کہ یہ بات ہمیں حال ہی میں معلوم ہوئی ہے کہ حرارت کو محسوس کرنے والے نازک نازک سے سیل (SENSORS) جلد کے عین نیچے ہوتے ہیں۔ اگر یہ آگ سے جل کر بیکار ہو جائیں تو اِس کے بعد حرارت کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جہنم میں جانے والوں کو مسلسل تکلیف میں رکھنے کیلئے اللہ عزیز و حکیم جلی ہوئی جلدوں کو نئی جلدوں سے تبدیل کرتے رہیں گے۔ 1400 برس پرانی کتاب میں اِس حقیقت کا درج ہونا نہایت واضح ثبوت ہے کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کی ہوئی ہے اور اِسکا علم ازلی اور قدیم ہے۔

## سات آسمان

قرآن کریم میں **سَمَاءٌ** جس کا ترجمہ آسمان کیا جاتا ہے۔ بلندی، فضا اور خلا کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ بارش کے بارے میں ایک آیت میں فرمایا گیا ہے۔

**وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** o (الانعام۔99)

''اللہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا''۔

اِس جگہ سماء کے مراد کرہ ارض کے اردگرد پھیلی ہوئی فضاء ہی مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ یہ بات عملی طور پر انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے کہ بارش کا پانی بادلوں سے نکلتا ہے جو فضا میں صرف چند ہزار فٹ کی بلندی پر معلق ہوتے ہیں۔ پہاڑی مقامات پر جہاں بادل بہت کم بلندی پر اُڑتے پھرتے ہیں وہاں بادل کے آوارہ ٹکڑے گھروں کے اندر گھس کر بھی برس جاتے ہیں۔ پھر

بھی اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر ہے اور کئی جگہوں پر صرف سماوات یعنی آسمانوں کا نام آیا ہے۔مندرجہ بالا معنوں کے لحاظ سے غور طلب بات یہ ہے کہ سات آسمانوں سے مراد فضا یا خلا کے کون سے طبقات مراد ہیں۔کائنات کی وسعت کے بارے میں انسان اب تک جو کچھ جان چکا ہے گذشتہ صفحات میں اسکی مختصری جھلک آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ہماری زمین جس نظامِ شمسی کا حصہ ہے وہ ہماری کہکشاں کے ایک سرے پر واقع ہے۔خود ہماری اِس کہکشاں کے اندر ہمارے سورج سے کئی کئی گنا بڑے سینکڑوں سورج اور نظامہائے شمسی موجود ہیں۔گویا ہماری اپنی کہکشاں کے اندر بھی ہمارے سورج اور نظامِ شمسی کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔جبکہ پوری کائنات کے بارے میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اِس میں کل کہکشاؤں کی تعداد تقریباً ایک ارب ہے جو بڑی تیز رفتاری سے ایک دوسری سے دُور ہٹتی چلی جا رہی ہیں۔اِس پس منظر میں سات آسمانوں کی حدود کیونکر متعین کی جائیں۔موجودہ دور کے ہیئت دان جو خلا کی وسعتوں کے حیرت کدہ میں گم ہیں ان کی نظر میں بھی سات ایک کمتر اہمیت کا حامل اور محدود سا ہندسہ ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں دئے گئے سات آسمانوں سے مراد اِس پھیلی ہوئی کائنات کی کہکشاؤں کے کوئی سات طبقات مراد ہیں یا انسانوں کے محدود علم کے مطابق صرف کرہ زمین کے حوالے سے اِس کے اوپر سات آسمانی طبقات کا تذکرہ کیا گیا ہے تا کہ انسان پہلے اپنے نظامِ شمسی میں واقع زمین کے پڑوسی سیاروں کے بارے میں جان کر اپنے خلائی علم اور سفر کی ابتدا کر سکے۔قرآنِ کریم میں زمین اور سات آسمانوں کی تخلیق کے بارے میں آیا ہے:۔

**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاo ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo**

’’وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں۔پھر آسمان یا بلندی کی طرف متوجہ ہوا تو اِسکے ٹھیک سات آسمان یا طبق بنا دیئے۔اور وہ ہر چیز سے خبر دار ہے‘‘

اِس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین پر بنی نوع انسان کی حیات کے بقا کیلئے ہر چیز پیدا فرمائی اِس کے بعد اِس کے ساتھ پیوستہ فضا کی بلندی کی طرف متوجہ ہوئے اور اِس کے سات آسمان، منطقے یا طبقے بنا دئے۔یعنی پہلے سب کچھ آپس میں جڑا ہوا تھا پھر انہیں

دور دور مناسب فاصلوں پر جدا جدا کر کے سات سماوات بنا دیئے۔ کیا اِن سے ہم زمین کے اوپر گردش کرنے والے سات دوسرے سیاروں کے مدار مراد لے سکتے ہیں جو ایک ہی نظامِ شمسی کا حصہ ہیں۔ قرآن حکیم کی سورت المومنون کی آیت 17 میں صاف صاف فرمایا گیا ہے:۔

**وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَo**

''اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے یا مدار پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں''۔

اِسی طرح سورت النباء کی آیت 12 میں ارشاد فرمایا:۔

**وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًاo**

''اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط نظام بنائے ہیں''۔

فطرت کو سمجھنے کیلئے سائنس نظریات گھڑتی اور پھر خود ہی انہیں غلط ثابت کر کے انکی جگہ زیادہ قابل قبول خیالات آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ اب تک یہی بیان کیا جاتا رہا ہے کہ سورج کے گرد گردش کرنے والے تمام سیارے کس وقت سورج سے الگ ہوئے تھے۔ اِسی طرح چاند جو کہ زمین کے گرد چکر کاٹ رہا ہے وہ کسی وقت کسی وجہ سے زمین سے ٹوٹ کر الگ ہوا تھا۔

اب حال ہی میں چاند سے لائی جانے والی مٹی کے تجزیہ کے نتیجے میں سائنسدان گذشتہ نظریے سے دستبردار ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ چاند کبھی بھی زمین کا حصہ نہیں رہا ہے بلکہ اِس کی عمر تو زمین سے زیادہ ثابت ہوگئی ہے۔ اِسی طرح اِس امر کا قوی امکان ہے کہ مزید تحقیق سائنسدانوں کو قرآنی آیات کا ہمنوا ہونے پر مجبور کر دے اور وہ اپنے نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں کی نسبت کرہ ارض کی اہمیت کو تسلیم کر لیں اور یہ سات آسمان صرف ہمارے اپنے نظامِ شمسی کا حصہ قرار پائیں۔ قرآنِ کریم کی ایک اور آیت تخلیق کی ترتیب پر مزید روشنی ڈالتی ہے اور اِس دائمی معجزہ سے انکار کرنے والوں کو چیلنج کر رہی ہے۔

**اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَاo** (الانبیاء۔30)

''کیا انکار کرنے والوں دیکھ نہیں لیا کہ سماوات اور ارض باہم ملے ہوئے تھے پس ہم نے اِنکو جدا کر دیا''۔

اِس آیت مبارکہ میں ایک دقیق نکتہ یہ بھی ہے کہ ملاپ والی صورت حال میں زمین اور

آسمانوں کیلئے ھُما کالفظ آیا ہے جو عربی میں دو چیزوں کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی پہلی چیز زمین تھی اور دوسرا وہ مواد جس سے آسمان بنائے گئے ۔اِس سے بھی زمین کی خصوصی اہمیت کا اظہار ہو رہا ہے جو سات آسمانوں کے مقابل ہے ۔اِن آیات کے علاوہ اگر فرقانِ حمید کی مندرجہ ذیل آیت پر تدبر و تفکر کیا جائے تو اِس خیال میں مزید وزن پیدا ہو جاتا ہے کہ سبعہ سماوات سے مراد صرف ہمارے نظامِ شمسی کے سات طبقات ہیں نہ کہ پوری کائنات۔

**اَلَمْ تَرَوْ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاo** (نوح ۔15-16)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ نے سات سماوات اوپر نیچے بنائے اور ان میں چاند کو اُجالا بنایا اور سورج کو چراغ بنایا''۔

یہاں یہ وضاحت فرما دی گئی کہ سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر طبقات کی صورت میں واقع ہیں۔ان میں اُجالا کرنے کیلئے چاند بنایا ہے اور سورج کو جلتے ہوئے چراغ کی مانند اپنا ایندھن جلا کر روشنی اور حرارت مہیا کرنے کا کام سپرد کر رکھا ہے۔موجودہ خلائی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہمارا سورج پوری کائنات کو روشنی نہیں دے رہا بلکہ یہ تو کروڑوں کہکشاؤں میں سے ایک کہکشاں کے کونے میں ایک معمولی سا روشنی اور حرارت کا ذریعہ ہے جو صرف اپنے گرد گھومنے والے چند سیاروں کیلئے کفیل ہے۔اِن سب کی محوری اور مداری رفتار ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اسی وجہ سے اِنکے دن رات اور سال کی مدتیں زمین سے مختلف ہیں۔بہر کیف اِس آیت سے یہ حقیقت قرین قیاس دکھائی دیتی ہے کہ سورج کو جن سات آسمانوں کیلئے روشنی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اِن سے مراد وہ سات سیاروں کے مدار یا طبقات ہیں جو زمین کے اوپر واقع ہیں۔واللہ اعلم۔

## آسمانوں کے فاصلے

جس نظام میں ہماری زمین واقع ہے اِس کا مرکز سورج ہے جس کے گرد کچھ سیارے ایک دوسرے سے ہٹ کر اپنے اپنے دائرے یا مدار میں تیرتے ہوئے چل رہے ہیں۔سورج سے قریب ترین سیارہ عطارد ہے، اِس کے بعد زہرہ اور پھر تیسرے نمبر پر ہماری زمین ہے۔زمین سے مزید اوپر جن سیاروں کے مدار ہیں ان کی تعداد کا صحیح تعین ماضی قریب تک

نہ ہو سکا۔ پچھلے صفحات میں ہم تحریر کر آئے ہیں کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں سات مضبوط نظاموں یا چنائیوں کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ خلائی ماہرین زمین کے اوپر صرف پانچ سیاروں کے وجود کو تسلیم کرتے تھے۔ 1930ء میں ہمارے نظام شمسی کا سب سے چھوٹا اور بعید ترین سیارہ پلوٹو دریافت ہوا جس کا قطر اڑھائی ہزار کلومیٹر سے بھی کم ہے۔ پلوٹو کی دریافت سے ان سیاروں کی تعداد چھ ہوگئی۔ قرآنی حقائق کے مطابق زمین کے اوپر سات سیارے ہونے چاہئیں۔ اب ذرا معجزے کا اظہار ملاحظہ فرمایئے کہ اس ساتویں سیارے کی موجودگی کا علم ایک حسابی فارمولے کے ذریعے سے ہوا جو قادرِ مطلق نے اِن سیاروں کے درمیانی فاصلوں کی نسبت میں چھپا رکھا تھا۔ ایک ہیئت دان یہ حقیقت دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ ہمارے نظام شمسی کے سیاروں کا سورج سے فاصلہ بے ترتیب نہیں بلکہ ایک خاص حسابی نسبت سے ہے۔ اس نے ستاروں کے مقامات کو نو منزلوں سے تعبیر کرتے ہوئے یہ فارمولہ بنایا کہ یہ نو منزلیں تین قدم سے شروع ہو کر دُگنی ہوتی چلی جاتی ہیں یعنی 0,3,6,12,24 علی ھذا القیاس۔ اب ہر ایک میں مزید چار کا عدد جمع کیا جائے۔ اب ان کی صورت یہ بن گئی 4,7,10,16,28 ...... الخ۔۔۔ اِن حاصل جمع اعداد کو نو ملین سے ضرب دی جائے تو ہر سیارے کا سورج سے تقریبی فاصلہ میلوں میں آ جائے گا۔ سبحان اللہ اِن بظاہر بے ترتیب فاصلوں کے اندر بھی نظم و ترتیب موجود ہے۔ اس طرح سورج سے عطارد کا فاصلہ تقریباً 36 ملین میل، زہرہ کا 63 ملین میل اور زمین کا 90 ملین میل بنا جو کہ درست ہے۔ اِس فارمولے میں بس ایک نقص نظر آیا۔ وہ یہ کہ اس حساب سے مریخ اور مشتری کے درمیان والی منزل پر بھی ایک سیارہ ہونا چاہئے تھا جو کہ اِس وقت انسانی علم میں نہ تھا۔ جب بڑی اور طاقتور دوربینوں سے جائزہ لیا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس جگہ کسی وقت ایک سیارہ گردش کرتا تھا جو کسی نامعلوم وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ اب اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسی مدار میں گھوم رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِسے ایک سیارہ کی بجائے سیارات جعفرہ کا نام دیا گیا ہے۔ اِس طرح سائنس گھسٹتی لڑھکتی اِس قرآنی حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر سات راستے یا آسمان بنا رکھے ہیں۔

# ایمان کامل بذریعہ حکمت

غلام مرتضیٰ توحیدی اسلام آباد

یقین تین طرح کا ہوتا ہے۔آپ کسی چیز کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں تو اِس کو تین طریقوں سے ہی جانچ سکتے ہیں اور وہ تین طریقے ہیں۔

1۔علم الیقین 2۔ عین الیقین 3۔حق الیقین۔

1۔**علم الیقین** :۔ وہ یقین ہے جو مصدقہ ذرائع سے حاصل ہو۔جیسے کہ ہمیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک موجود ہے، اللہ کے فرشتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے کتابوں کا نزول فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے رُشد وہدایت کیلئے رسول مبعوث فرمائے۔اللہ تعالیٰ نے جو یہ دنیا بنائی ہے اس کا اختتام قیامت کے دن ہوگا۔خیر اور شر کے تمام اندازے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں اور پھر جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی تو موت کے بعد کی بھی ایک زندگی ہے۔تو یہ تمام باتیں ہمیں حضور کریم ﷺ کی وساطت سے میسر آئیں اور آپؐ ایک سچے نبی اور امین تھے۔اپنے کیا غیر اور دشمن بھی آپؐ پر یقین رکھتے تھے کہ آپؐ سچے ہیں۔اور ہمیں جو اِن باتوں پر یقین ہے وہ حضور علیہ کریم کی وجہ سے ہی حاصل ہوا ہے تو ہمارا جو مصدقہ ذریعہ ہے وہ حضور علیہ کریم ہیں۔کیونکہ اِن سب باتوں کا تعلق غیب سے ہے۔لحاظ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم اِن باتوں پر ایمان لاؤ اور نبی ﷺ کے کہنے کے بعد دلیل و حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

2۔ **عین الیقین** :۔ یہ وہ یقین ہے جو کسی چیز کو خود آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہو۔اِس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر چہ انسان اِس چیز کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن انسان اُس چیز کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔

3۔ **حق الیقین**:۔ یہ وہ یقین ہے کہ انسان جن چیزوں کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے اُن کی حقیقت سے بھی واقف ہوتا ہے، یعنی کہ انسان کو اِن چیزوں کی حقیقت کا بھی یقین ہوتا ہے۔جب ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے تو سب سے پہلے اُس کا علم الیقین مستحکم ہونا چاہیے

اُسے یقین ہونا چاہیے کہ جب حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے تو میں بغیر کسی اور دلیل کے اِس پر ایمان لاتا ہوں۔

**ایمان کے درجے:** ایمان کے بھی مختلف درجے ہیں۔

نمبر1۔ اگر ایک شخص دوسروں کو محض دھوکہ دینے کیلئے یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا تو اُسے منافق کہتے ہیں۔

نمبر2۔ اگر ایک دوسرا شخص پکا مسلمان ہونے کیلئے کلمہ پڑھتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ میں اللہ، فرشتے، کتابوں، رسولوں، قیامت، خیر اور شر، موت کے بعد زندگی، مگر اس کو اپنے الفاظ پر اعلیٰ درجہ کا یقین نہیں ہوتا تو اُسے ہم مسلمان تو کہیں گے لیکن وہ مومن نہیں ہوگا۔

نمبر3۔ اب تیسرا نمبر مومن کا ہے۔ مومن تو وہ ہوگا جس کو اپنے الفاظ پر اعلیٰ درجہ کا یقین ہو گا یعنی جب اُس کو حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا تو وہ مومن ہوگا۔

## لطائف غیبی کا علم بذریعہ تصوف

جیسا کہ قرآن میں سورہ حجرات کی آیت نمبر 14 میں فرمایا گیا کہ

**قالت الاعراب امنا قل لم تومنو ولکن قولو اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم o**

ترجمہ! ''اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے (تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے فرمایا اے نبیؐ) ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لے آئے، ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔

اِس آیت سے تو یہ بات ثابت ہوئی کہ پہلے آدمی مسلمان بنتا ہے پھر اس سے آگے ترقی کر کے مومن بنتا ہے۔ اور جب مزید ترقی ہوتی ہے تو مرتبہ احسان پر فائز ہو جاتا ہے آپؐ نے مومن کی پہچان یہ بتائی کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرے کہ خدا اُس کو دیکھ رہا ہے اور مرتبہ احسان کی پہچان یہ بتائی کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے تو ایک بات بڑی واضح ہوگئی اِس آیت اور حدیث سے کہ ایمان کی دولت تب ہی حاصل ہوتی ہے

جب پہلے بندہ پکا مسلمان ہو۔

سورہ واقعہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ترجمہ "قیامت کے دن انسانوں کے تین گروہ ہوں گے۔ایک بائیں والے اور ایک دائیں والے اور ایک آگے والے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بائیں والے عذاب میں مبتلا ہوں گے یعنی دوزخی ہوں گے۔دائیں والے عیش و آرام میں ہوں گے یعنی جنتی ہوں گے اور آگے والوں کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا کیا کہنا وہ تو آگے ہی بڑھنے والے ہیں اور وہی مقرب ہیں"۔

تو جو لوگ نیکی یا عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں تو وہی مقربین میں ہوں گے اور یہی وہ نعمت اور بلند مرتبہ ہے جس کے مقابلے میں دوسری تمام نعمتیں اور مراتب کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔تو ہمارے جو بھی عمل ہوں وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہوں اور عبد کی انتہا یہی ہونی چاہئے کہ کسی طرح اُس کا مالک اُس سے خوش ہو جائے اُس کی رضا ہی بندہ کی خوشی بن جائے۔

قبلہ انصاری صاحب نے قرآن کے حوالے سے اور جو کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا منشور بھی ہے فرمایا کہ سورہ مزمل میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں **واذکر اسم ربک و تبتل الیه تبتیلا** ۔ترجمہ "اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ"۔یہ ایک چھوٹی سی آیت ہے جو کہ اپنے اندر سلوک کی ابتدا اور انتہا کو لپیٹے ہوئے ہے۔ہم عام زندگی میں قرآن کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔اور کبھی غور وفکر نہیں کرتے اس آیت پر تھوڑا سا غور کریں تو ہمیں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔رب کا نام اللہ ہی ہے اور اللہ کے باقی سارے نام صفاتی ہیں جس میں رب بھی شامل ہے تو اُسی کے نام کا ذکر کرو۔تو ہمیں یہ سبق خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا کہ جب تم مجھے یاد کرنا چاہو میرا ذکر کرنا چاہو تو بس میرے نام کا ذکر کیا کرو،اب اِس ذکر کے کرنے کا طریقہ کیا ہے تو اِس کو بھی قرآن میں بیان کر دیا وہ کیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

**واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر من**

**القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین**o
''اور اپنے رب کو دل میں یاد کرو، زاری اور ڈر سے زبان سے آواز نکالے بغیر صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہو جانا''۔

**واذ قضیتم الصلوۃ فاذکرا للّٰہ قیاماً وقعوداً و علی جنوبھم**o
فرمایا ''جب تم نماز ختم کرو تو اللہ کو یاد کیا کرو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے''۔
پہلی جو آیت ہے اِس کے آخر میں فرمایا کہ غافلوں میں سے نہ ہو جانا۔
دوسری آیت کے آخر میں فرمایا کہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے۔
حکم دیا جا رہا ہے کہ مجھے یاد کرنا اور میری یاد سے غافل نہ ہو جانا اور مزید یہ کہ مجھے یاد ہر وقت کرنا یعنی کہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے ہر حالت میں اللہ کو یاد کرنا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا!
**فاذکرو اللّٰہ کذکرکم اباءکم** ''مجھے ایسے یاد کرو جیسے اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو'' اور پھر فرمایا **اواشد ذکراً** ''ذرا زیادہ یاد کیا کرو''۔

تو میرے بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے چاہتا ہے کہ بندے اِسے سب سے بڑھ کر چاہیں اور اپنے بندوں کا خصوصی ذکر کرتا ہے جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ''جو لوگ دن رات اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اِس کی رضا چاہتے ہیں اے رسول اللہ اِن پر ذرا خصوصی توجہ کرو''۔

قرآن مجید میں ذکر کے بارے میں جو اور بھی آیات ہیں اِن سب کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ کے نیک بندوں یعنی اولیائے اکرام نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو چوبیس گھنٹے برابر ہی یاد رکھنا چاہئے اور اِس کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے لحاظ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کیلئے پاس انفاس کا طریقہ ایجاد کیا اور یہی وہ طریقہ ہے جو کہ قبلہ انصاری صاحب نے ہمیں وصیت کیا۔ یعنی ہر سانس سے جو باہر نکلے یا اندر آئے لفظ اللہ دل میں کہا جائے بغیر آواز نکالے اور جب دل اللہ کہے تو محبت کے ساتھ اللہ کا خیال بھی دل میں آئے۔ قبلہ انصاری صاحب فرماتے ہیں کہ اِس ذات کا پاس انفاس اگر با قاعدہ اور کچھ مدت تک کیا جائے تو اِس سے تین فوائد حاصل ہوتے

ہیں۔

**پہلا فائدہ:۔** یہ ہوتا ہے کہ سالک کو اطمینانِ قلب حاصل ہوجاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب** ترجمہ! بے شک اطمینان قلب اللہ کے ذکر سے ملتا ہے''۔

**دوسرا فائدہ:۔** سالک اپنی منزل مقصود کا راستہ سالوں کی بجائے مہینوں میں طے کرتا چلا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔

**تیسرا فائدہ:۔** اسی ذکر سے سالک کے قلب میں برقی حرارت یعنی روحانی طاقت پیدا ہوجاتی ہے جس سے سالک کو کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے اور انسان کا تعلق اپنے اللہ سے قائم ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے اس ذکر میں پختگی آتی ہے یہ تعلق مزید گہرا ہوتا جاتا ہے اور آخرکار جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سالک کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ کام کرتا ہے۔

اس مقام تک پہنچنے کے لئے نماز کے علاوہ نوافل میں اس کا ٹائم گزرتا ہے اور یہ بھی اُس کی رضا کیلئے ہی ہوتا ہے۔ سالک کا بڑا مقصد یہی ہونا چاہیے کہ اس کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔ آخرکار سالک کو اس کی محنت کا ثمر حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔

دوسرا ذکر جو کہ ہمارے سلسلہ میں ہوتا ہے وہ ہے ذکر نفی اثبات یعنی لاالٰہ الااللہ کا ذکر ہے۔ اس ذکر کو نفی اثبات اس لئے کہتے ہیں کہ لاالٰہ کہتے وقت دماغ کو ہر خیال وسوسہ سے بالکل خالی کرلیا جاتا ہے یعنی بالکل نفی کی جاتی ہے اور الا اللہ کہتے وقت صرف اللہ کا خیال دل میں رکھا جاتا ہے۔

کامل نفی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان بڑے مجمع میں بیٹھا ہوتا ہے لیکن اِسے نہ تو اپنے تن بدن کا احساس ہوتا ہے اور نہ کسی اور کی موجودگی کا۔ نفی کی حالت میں کسی خاص شخص یا چیز کا خیال دماغ میں پیدا کرنا اور اس خیال کو مستقل کسی دیر تک قائم رکھنے کی طاقت اور لیاقت کا پیدا کرنا بہت ضروری ہے یہ صحیح قسم کا ارتکاز خیال ہے اور اسی کو اثبات کہتے ہیں۔ اور ایک سالک نفی کی

حالت میں صرف اللہ کا خیال ہی پیدا کرتا ہے۔

جو بھائی حکمت کے ذریعے ذات باری تعالیٰ یا لطائف غیبی کا علم حاصل کرنا چاہتے ہوں اُن کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حکمت کا ہر وہ طریقہ جو خالص توحید کی تعلیم نہ دیتا ہو وہ غلط اور گمراہ کن ہے اِس پر عمل کرنے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرنے کے بجائے شرک اور کفر میں پھنس جائے گا۔ کشف و کرامات تو جادوگروں، عاملوں، نجومیوں سے بھی سرزد ہوتے لیکن اولیاءاللہ کی پہچان یہ ہے کہ اُن کا اخلاق اخلاقِ محمدی ہوگا اُن کی تعلیم قرآن اور سنت کے مطابق ہوگی اُن کا کوئی فعل اللہ کی رضا کے بغیر نہیں ہوگا۔ وہ تو **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** کی تعبیر ہوتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کے اُستاد حضرت سری سقطیؒ وہ ایک عجیب سی دُعا مانگتے ہیں فرماتے ہیں۔

**اللھم مھما عذبتنی بہ من شیی ء فلا تعذبنی بذل الحجاب**o

''اے اللہ مجھے کسی بھی چیز کا عذاب دینا چاہے تو دینا مگر ایک عذاب نہ دینا مجھے حجاب کا عذاب نہ دینا''۔

مجھے اور سب چیزیں قبول ہیں لیکن اے میرے مالک تو مجھے حجاب کے عذاب سے محفوظ رکھنا یہ عذاب بہت سخت ہے یہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا۔

اب آخر میں قبلہ انصاری صاحب کے گیارہویں خطبہ سے ایک اقتباس پیش کروں گا۔

فرماتے ہیں آج میں اِس خطبہ میں آپ کو پاس انفاس کے ذکر کے متعلق ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں۔ اگر اِس نقطہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ذکر کیا جائے تو اور بھی زیادہ فائدہ ہوگا اور برسوں کا کام چند ماہ میں ہو جائے گا۔ یہ نکتہ آج تاریخ تصوف (حکمت) میں پہلی مرتبہ بتایا جا رہا ہے اِس سے پہلے کسی بزرگ نے نہیں بتایا۔ مجھ سے سوال کیا گیا کہ پاس انفاس کے متعلق قرآن پاک میں جو آیت ہے **واذکر ربك فی نفسك** کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ الفاظ کے لفظی معنی تو یہ ہیں ''اپنے رب کو یاد کرو اپنے نفس میں'' لیکن نفس میں تو کوئی شے یا نہیں کی جاتی باتیں تو دل

میں یاد کی جاتی ہیں ۔پھر اللہ تعالیٰ نے بجائے **فی قلبك** کہنے کے **فی نفسك** کیوں کہا اِس میں کیا حکمت ہے ۔میں نے جواب دیا نفس خواہشات کا گھر ہے ۔ہر خواہش بری ہو یا اچھی نفس سے پیدا ہوتی ہے ۔مثلاً تمہارے سامنے دو چار گز کے فاصلے پر ایک خوبصورت پھول کھلا ہوا ہے تمہارے دل میں اُس کو توڑ کر پاس رکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تم وہاں تک چل کر گئے اور پھول توڑ کر لے آئے ۔تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے دل میں خواہش پیدا ہونے سے پھول توڑ کر واپس آنے تک کیا عمل ہوا۔حرکت پیدا ہوئی ،تم گئے پھول توڑا واپس آئے تمہاری خواہش کی تکمیل ہو گئی ۔اِسی طرح ہر خواہش کو پورا کرنے کیلئے حرکت کا ہونا ضروری ہے اور حرکت ہی زندگی کا ثبوت بلکہ عین زندگی ہے اِس لئے اگر نفس نہ ہوتا تو خواہش نہ ہوتی ۔خواہش نہ ہوتی تو حرکت نہ ہوتی ۔حرکت نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی چہل پہل ، رونق اور زندگی کے آثار نہ ہوتے ۔اِس لئے غور کیا جائے تو نفس اور خواہش مترادف الفاظ ہیں ۔یہ کلام ربانی کی انتہائی بلاغت ہے کہ یہ سارا قصہ بیان کرنے کیلئے قلب کے بجائے صرف نفس کا لفظ لکھ دیا ۔اِس طرح مطلب یہ نکلا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرو تو تمہارے دل میں اِس کے دیدار کی خواہش بھی ہونی ضروری ہے ۔یعنی جب تم اللہ کہو تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی خواہش ہو کہ اپنی لقاء سے مشرف فرما ۔مجھے نظر آ جا اپنا جمال جہاں آراء دکھا دے "۔

تو اے میرے بھائیو اور بیٹو! تم اِس خواہش اور تڑپ کے ساتھ پاس انفاس کرو تو صرف پانچ منٹ کا ذکر چوبیس گھنٹے کے ذکر سے کہیں افضل ہوگا اور جو کام برسوں میں ہوتا ہے اِن شاء اللہ چند ماہ میں ہو جائے گا۔اس کا طریقہ یہ ہے دن یا رات میں دس یا پندرہ منٹ ایسے مقرر کر لو جب کوئی تمہارے ذکر میں خلل انداز نہ ہو۔اب دس منٹ برابر اِسی طرح یہ ذکر کرو ۔ختم ہونے پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح پاک پر درود بھیجو ۔پھر غور کرو کہ ذکر سے پہلے تمہاری کیا کیفیت تھی اور اب کیا ہے ۔مجھ ناچیز کیلئے بھی دُعا کریں کہ اللہ انجام بخیر کرے ۔( آمین )

# قرآن پاک اور سائنس

انجینئر! سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

## 1۔ پس منظر

موجودہ سائنسی دور میں ہر چیز کی سچائی کا معیار سائنس کو سمجھا جاتا ہے۔حتیٰ کہ مذہب کی سچائی کو بھی بعض لوگ سائنس کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔اُنیسویں صدی میں جب مغربی دنیا میں سائنسی علوم نئے نئے متعارف ہوئے تو وہاں بھی Atheism کی ایک لہر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی ،جس کا نظریہ یہ تھا کہ جو چیز تجربہ سے ٹیسٹ نہیں ہوسکتی یا حساب سے ثابت نہیں ہوسکتی وہ باطل ہے۔اب مذہبی نظریات اور روحانی تجربات نہ تو حساب کے دائرہ کار میں آتے ہیں نہ ہی کسی لیبارٹری میں قابل تجزیہ ہیں۔چنانچہ سائنس سے مرعوب بے شمار لوگوں نے مذہب کو محض ڈھکوسلا (Myth) قرار دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود سے بھی انکار کر دیا۔لیکن جوں جوں یہ ثابت ہونے لگا کہ سائنس بھی کوئی حتمی علم نہیں بلکہ یہ بھی بے شمار غیر ثابت شدہ مفروضوں پر قائم ہے تو بیسویں صدی کے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات مبارک سے روگردانی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس میں اب کسی قدر کمی آنے لگی ہے لیکن سائنس نے آزادی رائے، تحقیق اور تنقید کے حق میں جو فضا پیدا کی تھی مذہب اِس کی زد سے بچ نہ سکے۔چنانچہ مغربی سکالرز نے جب عیسائی اور یہودی مذہبی کتابوں یعنی موجودہ انجیل اور توراۃ کا سائنسی انداز میں تجزیہ کیا تو ان میں بے شمار غلطیاں اور بنیادی قدرتی اصولوں کے خلاف نظریات پائے گئے جس کا یہ مطلب لیا گیا کہ یہ کتابیں خالق کائنات کی طرف سے نہیں ہوسکتیں بلکہ اپنے وقت کے انسانوں کی تخلیق ہیں۔چرچ کیلئے یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ایسے میں اپنے سنبھالے کیلئے عیسائی چرچ نے نئی سوچ نکالی کہ جہاں تک سائنسی اصولوں اور مادی حقائق کا تعلق ہے یہ اِسی زمانہ کے مطابق تھے جب یہ کتابیں لکھی گئی تھیں لیکن ان کے اخلاقی ضابطے اٹل ہیں۔اِس لئے اخلاقی اور مذہبی طور پر انجیل اور توراۃ وغیرہ پر اعتبار کیا جا سکتا ہے لیکن یہ توضیح لوگوں کو مطمئن کرنے کیلئے کافی نہیں تھی۔لہٰذا جدید سائنسی افکار کے زیر اثر عیسائی دنیا کی اکثریت مذہبی طور پر ایک عیسائی نہیں

رہی اور عیسائیت کی جگہ مغربی تہذیب نے لے لی ہے جس کی بنیاد Secularism یعنی لا دینیت ہے۔ افسوس کی یہ بات ہے کہ جیسے کبھی عیسائیت کو پھیلانے کیلئے وہ کوشاں (Crused Wars) تھے اب اہل مغرب، مغربی تہذیب کو بے دینی کے مذہبی جنون سے بقیہ دنیا پر نافذ کرنے کیلئے تلے ہوئے ہیں۔

## 2۔ اسلامی دانشور اور سائنسی حقائق

اسلامی دنیا کے دانشور (Intellectual) کا بھی جدید سائنس سے متاثر ہونا فطری عمل ہے۔ ان میں اب دو گروپ بن گئے ہیں۔ (Conservative) گروپ جس میں زیادہ تر پرانی طرز کے علماء ہیں وہ تو سائنس کے خلاف کھلی نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور قرآن حکیم کے متعلق ہر قسم کے سائنسی تجزیہ کی کھلی مخالفت کرتے ہیں۔ اس گروپ کی قابل ذکر شخصیت سعودی عرب کے ایک بہت بڑے عالم الشیخ بن باز صاحب کی تھی جنہوں نے، جب انسان کے چاند پر پہنچنے کا اعلان ہوا تو اس کو ماننے سے صاف انکار کردیا۔ بلکہ فتویٰ دیا کہ اس کا اقرار کفر ہے۔

وہ علماء جو سائنسی حقائق کو مذہب سے دور رکھنا چاہتے ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن حکیم کی حقانیت اپنی جگہ مسلمہ ہے، اس کیلئے کسی سائنسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک ''قرآن پاک اور سائنس'' کا موضوع فضول بات ہے یعنی جو سترھویں صدی کے عیسائی پادریوں کا موقف تھا۔ مثلاً جب پہلی دفعہ سائنسدانوں نے کہا کہ زمین اپنی تخلیق میں اربوں سال پرانی ہے، تو انگلینڈ کے لارڈ بشپ نے نہ صرف اس نظریہ کی پرزور مذمت کی بلکہ یہ بھی بتایا کہ زمین کی عمر صرف چھ ہزار سال ہے۔ اس سے پہلے جب گلیلیو نے کہا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو چرچ نے اسے سزائے موت سنادی لیکن زندگی کی بھیک کی خاطر بیچارے گلیلیو نے معافی نامہ لکھ کر دیا اور اپنے نظریات سے توبہ کی۔ لیکن بالآخر سائنس جیت گئی۔ چرچ کی یہ ہار عیسائیت کی ہار ثابت ہوئی جس کا نتیجہ آج کل کی مغربی لا دینیت کی شکل میں ساری دنیا بھگت رہی ہے۔ اب یہ ٹکر اسلامی دنیا میں شروع ہوئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جدید ذہن کو پرانی سوچ کے

اسلامی علماء کیسے مطمئن کرتے ہیں۔

اِن بزرگوں کے برعکس ایک دوسرا گروپ ان دانشوروں کا ہے جو اِس مفروضہ پر کام کررہا ہے کہ جلد ہی مسلمانوں کو سائنس کی طرف سے قرآن حکیم کے بارے میں وہی چیلنج پیش آئے گا جو اُنیسویں صدی میں انجیل اور تورات کو پیش آیا تھا۔لہٰذا لادین (Secular) دانشور نقادوں کا اِنتظار کئے بغیر اِسلام کے یہ علماء ازخود قرآن حکیم پر سائنسی کام کررہے ہیں اور دنیا پر قرآن پاک کی سائنسی عظمت واضح کررہے ہیں۔اِن کے نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن حکیم، انجیل کی طرح انسانی تخلیق نہیں بلکہ یہ ہو بہو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اِس لئے اِس میں کوئی حقیقی سائنسی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔لہٰذا مسلمانوں کو سائنس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کہ قرآن پاک جھوٹا ثابت ہوجائے گا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر سائنس کا کوئی مفروضہ قرآن حکیم سے ٹکراتا ہے تو وہاں سائنس غلطی پر ہوگی۔ان کا خیال ہے کہ سائنس اور قرآن پاک کے درمیان موافقت دیکھ کر مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ کے کے عقل سلیم رکھنے والے دانشور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔اِس لئے ان کے نزدیک فی زمانہ قرآن پاک پر سائنس کے حوالہ سے ریسرچ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے۔

## 3۔ وقت کی اہم ضرورت

دیکھا جائے تو دونوں قسم کے اسلامی دانشور اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان کیلئے قرآن حکیم کی حقانیت پر ایمان کیلئے کسی سائنسی یا غیر سائنسی شہادت کی ضرورت نہیں لیکن قرآن پاک بذات خود یہ چاہتا ہے کہ اِس کی آیات پر خوب غور وفکر کیا جائے۔بلکہ تقریباً ایک چوتھائی کلام پاک تو انسان کو صحیفۂ فطرت پر غور کی ہی دعوت ہے۔ایسی فکر کا ہی دوسرا نام سائنس ہے۔لہٰذا قرآن حکیم میں سائنسی غور وفکر اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور ایک زبردست عبادت ہونا چاہیے۔لیکن اِس کام میں کم علمی یا بے صبری خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔اِس لئے یہ کام ایسے لوگوں کو کرنا چاہیے جو ایک خاص علمی مرتبہ رکھتے ہوں۔ قرآن حکیم انہیں اولی الالباب کا اعلیٰ خطاب دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، صحیفہ

قدرت میں خوب غور کرنے والے، سمجھدار، حقیقت پسند مسلمان ہیں جو کسی دوسری ازم یا سائنس سے مرعوب نہیں، لیکن وہ متعصب بھی نہیں ہیں، اِسلامی دنیا میں ایسے لوگوں کی بڑی کمی ہے۔

اِس خلا کو پورا کرنے کیلئے کچھ ایسے بھی لوگ سامنے آئے ہیں جو بڑے پر جوش ہیں لیکن ان کی قرآنی واقفیت اور سائنسی علم سطحی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اِس طرح کے جوشیلے کم علم اور کم فہم لوگ اِس نازک اور حساس موضوع کی کوئی صحیح خدمت نہیں کر سکتے بلکہ اُلٹا بہت سی غلط فہمیوں کا باعث بن رہے ہیں۔ اِن کی اسلام سے محبت اپنی جگہ قابل قدر ہے لیکن مشورہ یہی ہے کہ وہ قرآن پاک اور سائنس دونوں کو اس وقت تک معاف رکھیں جب تک وہ علم کی پختگی کو نہیں پہنچتے۔ اِس قبیلہ کے کچھ لوگوں کو نئی نئی تھیوریاں نکالنے کا بھی شوق ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی غلط تاویلات سے وہ بعض اوقات نئی دریافتوں کے دعوے بھی کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب نے حال ہی میں اعلان کیا ہے بلکہ یہ تک کہہ دیا ہے کہ عرش بریں اِسی سیارہ پر ہے۔ حالانکہ قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ عرش بریں پر ضرور راستویٰ ہے لیکن اُسکی کرسی کی وسعت بھی تمام آسمانوں اور زمین سے زیادہ ہے۔ اِس لئے عرش معلّی اور کرسی کو کائنات کی حدود میں لانا ایک فاش غلطی ہوگی۔ ایک اور صاحب جن کی تعلیم B.A ہے۔ وہ قرآن حکیم کی چند آیات کے حوالہ سے آئن سٹائن کے نظریہ اضافت (Theory of Relativity) انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اِس نظریہ اضافت کے سلسلہ میں قرآن پاک سے ثبوت پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ان سب حضرات میں قدر مشترک یہ ہے کہ عام طور پر وہ سائنس نہیں جانتے، مغرب سے بے حد مرعوب ہیں، مسلمانوں کی سائنسی پسماندگی کو محسوس کرتے ہیں چنانچہ اِس کمی کو پورا کرنے کیلئے وہ پہلے اپنے ذہن میں کوئی نام نہاد (Pseudo) سائنسی تھیوری بنا لیتے ہیں اور پھر اِس ثبوت کیلئے قرآن کریم سے آیات ڈھونڈنا شروع کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم کے حوالہ سے اِس طرح کا کام نہایت ہی خطرناک بات ہے۔ ایسا کام کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ جب لوگ اِن کی بنائی ہوئی سائنسی تھیوری کو جھٹلائیں گے یا مذاق اُڑائیں گے تو بے سوچے وہ قرآن کریم کو بھی جھٹلائیں گے۔ اِس

لئے قرآن حکیم کے حوالہ سے جدید علوم ایک نازک مسئلہ ہے جس پر کام نہایت محتاط طریقہ سے اولی الالباب ہی کو زیب دیتا ہے۔ایسے لوگوں کا کام جدید دور کیلئے بھی قابل قدر خدمت ہوگی۔

## 4۔ سائنس کی حدود

اب ہم اِس سوال کی طرف آتے ہیں کہ قرآن پاک اور سائنس میں کیا تعلق ہے۔اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم حق ہے اور سائنس حق کی تلاش ہے لیکن جدید سائنس کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ حق کی تلاش کیلئے صرف مادی طریقوں پر انحصار کرتی ہے اور مادیات کے ماورئی اقرار نہیں کرتی جس کی وجہ سے سائنس کی دسترس کائنات میں بہت محدود ہے۔چنانچہ موجودہ سائنسی فہم (Insight) اور طریقہ کار خود ہی سائنس کی مزید ترقی پر بہت بڑی رکاوٹ بنتا جا رہا ہے۔آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کے مطابق رفتار کی آخری حد خلا میں روشنی کی رفتار یعنی ۳ لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔دیکھنے میں یہ بہت بڑی رفتار ہے لیکن کائنات کی وسعتوں کے اعتبار سے یہ اِس قدر کم ہے کہ بفرض محال انسان یہ رفتار حاصل کر بھی لے تب بھی وہ پوری حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتا۔اِس طرح مادہ سائنس نے اپنی پہنچ کی حدود خود ہی محدود کر دی ہیں۔یوں وہ پوری حقیقت کا تجرباتی طور پر ادراک کبھی بھی نہیں کر سکتی۔

جیسے بڑی سے بڑی حقیقت کے سلسلہ میں سائنس محدود ہے اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی حقیقت کی پہچان کیلئے بھی سائنسی دریافتیں کافی نہیں۔مشہور سائنسدان ہیزن برگ (Heizenberg) کا نظریہ بے یقینی (Uncertainty Principle) یہ ہے کہ انتہائی باریک اور چھوٹی چیزوں کی ہیئت کو صحیح طور پر سمجھنا سائنس کا دائرہ کار سے باہر ہے اِس لئے کہ ایک خاص حد تک کے بعد ہمارے پاس مزید پیمائش کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہ جاتا۔بلکہ جس چیز کی مدد سے پیمائش کی جاتی ہے اِس کے اپنے اثرات زیر تجربہ چیزوں کی ہیئت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

اُوپر کی تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انتہا کے حقائق سائنس کی بساط سے باہر ہیں۔ اِس لئے جو لوگ سائنس کو حرف آخر سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی یہ سوچ خود سائنس کے خلاف جاتی ہے۔سائنس کی جدوجہد کا محور اجزا (Parts) ہیں۔کل یعنی ٹوٹل (Total)

کی حقیقت اِس کے ادراک سے باہر ہے۔یعنی سائنس کے ذریعہ ٹوٹل سچائی کا ادراک ناممکن ہے اور عالم الغیب اِس کی دسترس سے باہر ہے۔مثلاً زندگی اور موت کا درمیانی وقفہ تو کسی حد تک سائنس کے دائرہ کار میں آتا ہےلیکن زندگی سے پہلےاور موت کے بعد کے حقائق اِس کے بس کی بات نہیں ۔یہ مخلوق کو سمجھنے کی تو کسی حد تک دعویدار ہےلیکن خالق کے بارے میں خاموش ہے۔ جسم کا تھوڑا بہت علم رکھتی ہےلیکن نفس اور روح کے معاملات اِس کی پہنچ سے باہر ہیں۔یعنی ٹوٹل حقیقت کی تلاش میں سائنس ایک محدود ذریعہ علم ہے۔اِن حالات (Circumstances) میں یہ سوال اہم ہے کہ سائنس کے دائرہ کار سے باہر کے حقائق کا انسان کو کیسے علم ہو؟ اس کا جواب وحی ہے۔یعنی زمین پر آسان زندگی گزارنے کیلئے تو رب العالمین نے انسان کو سائنس کا علم دیا لیکن اِس کی روحانی بالیدگی کیلئےاس نے وحی کا انتظام کیا۔

وحی اور سائنس میں فرق یہ ہے کہ سائنس عالم شہود (Physical Realm) کا علم ہے اور وحی عالم الغیب (Metaphysical World) کا علم ہے۔تمام علوم اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور جسے جتنا چاہیے وہ دے دیتا ہے۔اسکی مرضی کے مطابق ہر دور میں سائنس اور وحی کے علوم اُترتے رہے ہیں۔جبکہ سائنس کیلئے اللہ تعالیٰ نے سائنسدان پیدا کیے وحی کیلئے وہ اپنے مخصوص بندے جنھیں پیغمبر یا رسول کہتے ہیں بھیجتا رہا۔اِس علم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخری نبی اور ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر مکمل کر دیا۔انسانیت کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ سو فیصد شک وشبہ سے بالاتر وحی کا یہ علم قرآن حکیم کی شکل میں محفوظ ہےاور اس کی تفصیلات اور جزئیات حامل وحی ﷺ کی سنت میں موجود ہیں۔

قرآن حکیم یہ ثابت کرتا ہے کہ عالم شہود اور عالم الغیب آپس میں لاتعلق نہیں بلکہ دونوں باہم متصل (Interlinked) ہیں۔اِس لئے ظاہر سے باطن کی پہچان ہوگی،جبکہ ظاہر کی پوری حقیقت تک پہنچنے کیلئے باطن کا ادراک بھی ضروری ہے۔مثلاً قرآن حکیم اِس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ خالق ہےلیکن خالق کی پہچان اس کی مخلوق سے ہوتی ہے۔صلوٰۃ ایک روحانی عبادت ہے لیکن جسمانی طور پر ادا کی جاتی ہےاور اسکی بنیادی تیاری وضو ہے جو پانی سے کیا جاتا ہے۔غرض

قرآن روح اور جسم، دنیا اور آخرت کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کرتا بلکہ اِسکی تعلیم یہ ہے کہ آخرت کا سامان اِسی دنیا میں سے بن کر جاتا ہے۔ یہ سب ایک ہی وحدت کے مختلف نظارے ہیں۔ پہلی اور آخری حقیقت وحدت ہی ہے۔ سائنس اور مذہب دونوں کا مقصد اِس حقیقت کا کلی طور پر ادراک ہے اور اِسی تلاش میں انسان کی معراج ہے۔
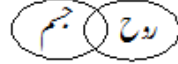
روح اور جسم آپس میں باہم متصل ہیں
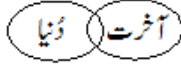
دنیا و آخرت آپس میں باہم متصل ہیں
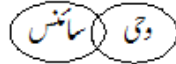
سائنس اور وحی آپس میں متصل ہیں

(جاری ہے)

## ضروری اِطلاع

جن بھائیوں نے 2009ء کا مجلّہ فنڈ جمع نہیں کروایا اِن کی خدمت میں گذارش ہے کہ اپنا مجلّہ فنڈ مبلغ 200سو روپے اپنے خادمان حلقہ کی وساطت سے مرکز روانہ کر دیں۔ شکریہ! (ادارہ)

# مکافاتِ عمل

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

☆ میری ایک عزیزہ شاہدہ عباس نے بتایا کہ تقریباً سولہ سال قبل یتیم خانے کے علاقے میں کہ جہاں پہلے ہماری رہائش تھی تاجر گھرانے کی ایک خاتون شمیم اختر صاحبہ کو سینے میں تکلیف محسوس ہوئی تو وہ ڈاکٹر کے پاس گئیں۔ڈاکٹر نے ضروری چیک اپ اور ٹیسٹوں کے بعد تشخیص کی کہ موصوفہ کو دل کی خرابی کا عارضہ لاحق ہے۔اِس کا فوری اپریشن کرانا چاہئے جس پر ستر ہزار روپے خرچ آئے گا۔

محترمہ شمیم اختر صاحبہ نے شاہدہ عباس کو بتایا کہ میں نے ستر ہزار روپے کی رقم اپنے رشتہ داروں میں دو یتیم بچیوں کی شادی کیلئے دے دی اور ایک یتیم لڑکے کی تعلیم کا بندوبست کر دیا اور چند روز کے بعد جب میں دوبارہ اُسی ڈاکٹر کے پاس گئی اور اُس نے چیک اپ کیا،تو وہ یہ دیکھ کر حیران پریشان رہ گیا کہ اب اس کے جسم میں مرض کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

☆ چوہدری جاوید نے بتایا میرا ہم زُلف احمد علی گجرات میں ایک فیکٹری کا مالک تھا، شنیل کے دو پٹے بناتا تھا۔اور خاصا خوشحال تھا۔فیکٹری کے قریب ہی اُس کا کشادہ،خوبصورت گھر تھا۔

احمد علی گجرات میں بابا کاواں والی سرکار کے مزار پر گیا اور منت مانی ۔بابا مجھے بیٹا عطا کر دو۔ میں تیرے دربار پر ننگے پاؤں حاضری دوں گا۔۔چنانچہ بیٹا تولد ہوا تو احمد علی نے اپنے گھر سے مزار تک کئی میل کا سفر ننگے پاؤں اِس حال میں طے کیا کہ آگے ڈھول بج رہا تھا، پھر کچھ لوگ جھنڈے اور نیاز کی دیگیں اُٹھائے ہوئے تھے اور اُن کے پیچھے چوہدری احمد علی ننگے پاؤں ناچتا ہوا چل رہا تھا۔

چوہدری جاوید نے بتایا آج احمد علی کا وہ بیٹا ماشاءاللہ جوان ہو چکا ہے اور پر لے درجے کا آوارہ، بدمعاش بلکہ بدکار ہے۔سارے عیب اُس میں موجود ہیں اور وہ احمد علی والدین کیلئے مصیبت بنا ہوا ہے۔گویا یہ کاواں والی سرکار کا زندہ معجزہ ہے۔

احمد علی پر اللہ کی مزید ناراضگی یہ طاری ہوئی کہ اُس کا کاروبار مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے،فیکٹری

اور مکان سب بک گئے ہیں۔ دو بیٹے ہیں دونوں بیرون ملک دھکے کھا رہے ہیں۔ شادی شدہ بیٹی آٹھ سال سے باپ کے گھر میں بیٹھی ہے اور وہ خود گوجرانوالہ میں چار مرلے کے مکان میں گزر بسر کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

☆ پروفیسر شیر محمد شاہ صاحب نے اپنے خاندانی حالات کے حوالے سے ایک عبرتناک واقعہ لکھ کر دیا۔

ہم نے اپنے ایک بیٹے کی شادی اپنے ہی شہر یعنی پاک پتن میں کی۔ اُس کے سسرال والوں نے مجبور کیا کہ وہ ہم سے مکمل علیحدگی اختیار کر لے چنانچہ اُس نادان نے گھر کے درمیان دیوار کھینچ لی اور ہم سے میل جول ختم کر لیا حتیٰ کہ وہ اپنی بیمار ماں سے بھی ملنا گوارا نہ کرتا۔

اِس کا فوری خمیازہ اُسے یہ بھگتنا پڑا کہ اُس کے گھر میں چوری ہو گئی اور وہ پچیس ہزار کے زیورات سے محروم ہو گیا۔ اب سسرال والوں نے اُس کے مزید کان بھرے کہ یہ چوری تمہارے والدین نے کرائی ہے۔ وہی پڑوس میں رہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ تم لوگ کب گھر پر نہیں ہوتے۔ میرے بیٹے نے اِس بہکاوے پر بھی آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا اور ہم سے ربط ضبط اِس حد تک کم کر دیا کہ عید کے ایک موقع پر بھی وہ ہمارے گھر نہ آیا۔ اُس کی بیمار والدہ نے اس رویے کا گہرا اثر لیا اُس کی بیماری مزید شدت اختیار کر گئی اور وہ اِسی حالت میں ایک روز دم توڑ گئی۔

اب کرنا خدا کا یہ ہوا کہ میرے اِس بیٹے کے سالے نے جو لاہور میں وکالت کرتا تھا اور اب بھی وہیں مقیم ہے، والدین کی اجازت اور مشورے کے بغیر لاہور ہی میں شادی کر لی اور ماں کو اُس وقت پتہ چلا جب اُس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور اُسے مجبور ہو کر گھر والوں کا تعاون حاصل کرنا پڑا۔ اِس پر ماں نے ناراضگی کا اظہار کیا تو اُس کی بیوی نے اُسے پاک پتن جانے اور والدین سے معمولی تعلق قائم رکھنے سے بھی روک دیا اور اُس نے زن مریدہونے کا غیر معمولی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے والدین کے ہاں آنا جانا بالکل چھوڑ دیا۔

تب تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا، مکافاتِ عمل کا الٰہی قانون حرکت میں آ گیا اور میرے بیٹے کی ساس اپنے بیٹے کے سنگدلانہ رویے کے نتیجے میں بیمار ہو گئی اور اِسی علالت نے اُسے قبر کی آغوش میں پہنچا دیا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہی وہ خاتون تھی جس نے اپنے داماد کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے والدین سے مکمل قطع تعلق کر لے۔

# حضرت حنظلہؓ بن رُبیع تمیمی۔ کاتب رسولﷺ

**طالب الہاشمی**

سرورکونینﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کے ظلمت کدہ میں کئی ایسے سلیم الفطرت لوگ بھی موجود تھے جو توحید کے قائل تھے اور علماء یہود و نصاریٰ کی باتیں سن کر نبی آخرالزماںﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ایسے ہی لوگوں میں بنو تمیم کے ایک بزرگ اکثم بن صیفی بھی تھے۔وہ ایک سو نوے برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور اپنی حکمت و دانش کی بناء پر عرب بھر میں شہرت رکھتے تھے۔وہ لوگوں کو اکثر عرب میں اللہ کے آخری رسولﷺ کے ظہور کی خبر دیا کرتے تھے۔

سرورِ عالمﷺ نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اکثم کے کانوں میں بھی آپؐ کی بعثت کی خبر پہنچی۔اِس کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی نبی ہیں جن کو سرزمین عرب میں جلوہ افروز ہونا تھا۔اُنہوں نے مکہ کے دُرِ یتیمﷺ کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا جس میں آپؐ کی دعوت کی تفصیل پوچھی۔حضورﷺ نے اِس خط کا جواب اکثم کو بھیجا تو اِس کو پڑھ کر اِن کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ان کے نہاں خانہ دل میں شمع ایمان روشن ہوگئی اور انہوں نے تمام اہل قبیلہ کو بلا بھیجا۔جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اِن سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے میرے فرزند! میری بات غور سے سنو، مکہ میں قریش کے جو صاحب لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں، فی الواقع وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔تم لوگ فوراً ان کی طرف لپکو اور ان کا دامنِ اقدس تھام لو کہ اِسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ دیکھنا عرب کے دوسرے لوگ تم سے بازی نہ لے جائیں"۔

حاضرین میں بنو تمیم کا ایک سربرآوردہ رئیس مالک بن نویرہ بھی موجود تھا۔اِس کو اکثم کو یہ باتیں ناگوار گزریں، اِس نے لوگوں سے کہا، بڈھا سٹھیا گیا ہے، اِس کی باتوں پر مت جاؤ۔آخر اِنکی خاطر ہم اپنا آبائی دین کیوں چھوڑیں؟

مالک کی باتیں سن کر لوگ منتشر ہو گئے تاہم اکثم کے ایک فرزند، ایک بھتیجے اور کچھ دوسرے نیک فطرت تمیمی اکثم کی باتوں سے بڑے متاثر ہوئے انہوں نے اکثم سے کہا کہ آپ نے ہمیں

جو مشورہ دیا ہے، ہم اِس پر ضرور عمل کریں گے۔ اکثم نے اِن سب لوگوں کو ہدایت کی کہ جلد از جلد عازمِ مکہ ہو جاؤ اور صاحبِ قریش ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی دعوت قبول کر لو۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن سے مکہ کیلئے روانہ ہوئے، لیکن معلوم نہیں کون سے موانع پیش آئے کہ یہ لوگ اُس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضری کی سعادت حاصل نہ کر سکے البتہ کچھ عرصہ بعد اکثم بن صیفی کے بھتیجے کسی نہ کسی طرح رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ذوق وشوق سے سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔ دانائے بنو تمیم اکثم بن صیفی کے یہ خوش بخت بھتیجے حضرت حنظلہؓ بن رُبیع تھے۔

سیدنا حضرت حنظلہؓ بن رُبیع کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابو ربعی تھی اور وہ حکم عرب اکثم بن صیفی تمیمی کے حقیقی برادر زادے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: حنظلہؓ بن رُبیع بن صیفی بن ریاح بن حارث بن مخاشن بن معاویہ بن شریف بن جروہ بن اسید بن عمرو بن تمیم۔

حضرت حنظلہؓ کے قبولِ اسلام نے اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل اقامت کب اختیار کی؟ کتب سیر سے اِس سوال کو بھی کوئی حتمی جواب نہیں ملتا۔ البتہ تمام مورخین نے یہ بات تواتر کے ساتھ بیان کی ہے کہ حضرت حنظلہؓ لکھنے پڑھنے میں اعلیٰ قابلیت کے مالک تھے اور سرورِ کونین اِن پر بہت اعتماد فرماتے تھے۔ ابن اثیرؒ نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حنظلہؓ کو عہدہ کتابت پر مامور فرمایا تھا اور وہ دربارِ رسالت کی طرف سے حکمرانوں، رئیسوں اور دوسرے لوگوں کو بھیجے جانے والے خطوط قلمبند کیا کرتے تھے۔ اِسی لئے ''کاتب رسول اللہ ﷺ'' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت حنظلہؓ صرف قلم ہی کے دھنی نہیں تھے بلکہ راہِ حق کے ایک جانباز مجاہد بھی تھے۔ اہل سیر نے اگرچہ اِن کے جہاد بالسیف کی تفصیل بیان نہیں کی، لیکن بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنھوں نے کئی غزوات میں رحمت عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ مسند احمد بن حنبل میں خود حضرت حنظلہؓ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک عورت مقتول

پڑی ہے۔ لوگ اس کی لاش کے گرد جمع ہو گئے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ حضور ﷺ نے لاش کو دیکھ کر فرمایا۔ ''یہ عورت تو لڑائی میں شریک نہ تھی''۔ پھر آپؐ نے ایک شخص کو حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ لڑائی میں عورتوں اور بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ غزوہ طائف سے پہلے رسول اکرم ﷺ نے حضرت حنظلہؓ کو یہ خدمت سونپی کہ وہ اہل طائف (بنو ثقیف) کے پاس جائیں اور ان کا عندیہ معلوم کریں کہ وہ مسلمانوں سے مصالحت کرنے پر تیار ہیں یا نہیں۔ حضرت حنظلہؓ نے واپس آ کر حضور ﷺ کو اِن لوگوں کو متمردانہ روش سے آگاہ کیا تو آپؐ نے طائف کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حنظلہؓ ایک صاحب تدبیر اور دانا آدمی تھے اِسی لئے سید الانام ﷺ نے سفارت جیسے نازک کام کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہؓ کو بڑی حساس طبیعت عطا کی تھی۔ صحیح مسلم اور مشکوٰۃ میں ان سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) میری حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا، حنظلہؓ کیا حال ہے؟ میں نے کہا، اے ابو بکر (کیا بتاؤں) مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نفاق کے مرض میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حیران ہو کر فرمایا، سبحان اللہ، یہ تم کیا کہہ رہے ہو، میں نے کہا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا جنت اور دوزخ ہمارے سامنے ہیں اور ہم اِنکے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپؐ کی مجلس سے اُٹھ کر باہر آتے ہیں تو پھر بیوی بچوں اور جائیدادوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپؐ کے ارشاد و تذکیر کو بھلا دیتے ہیں۔

اِس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ اِس کے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپؐ کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر

ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم اِن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن جب آپ کے پاس سے اُٹھ کر جاتے ہیں تو پھر بیوی بچوں اور زمینوں کی دلچسپیوں میں کھو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات و ہدایات کا بیشتر حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اِس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہاری ہمیشہ یہی حالت رہے جو میری مجلس میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور راستوں پر کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کرتے، لیکن اے حنظلہؓ وقت وقت کی بات ہے۔ (ساعۃ ساعۃ) یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت حنظلہؓ نے مجلس نبوی میں موجودگی کے وقت اپنی جس قلبی کیفیت کا اظہار کیا، شریعت کی اصطلاح میں اِس کو احسان کہا جاتا ہے جو فی الحقیقت یقین ہی کی ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ حضور ﷺ نے یہ واضح فرمایا کہ میری صحبت میں تمہارے قلب کی جو کیفیت ہوتی ہے اگر یہ دائمی بن جائے تو تم اِس کو برداشت نہیں کر سکتے اِس طرح تم انسانوں کی دنیا سے نکل کر فرشتوں کی دنیا میں شامل ہو جاؤ گے۔ جبکہ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔

سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت حنظلہؓ نے قلم چھوڑ کر تلوار سنبھال لی اور میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں قادسیہ کی خونریز جنگ پیش آئی تو حضرت حنظلہؓ نے اِس میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ کوفہ آباد ہوا تو انہوں نے وہاں اقامت اختیار کر لی۔ جنگ جمل کے بعد کوفہ سے قرقیسا چلے گئے اور وہیں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت حنظلہؓ سے آٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

# کشف کی حقیقت

پیر جی سید مشتاق علی شاہ (گوجرانوالہ)

کشف بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے لیکن اب فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کثرت سے بولا اور سمجھا جاتا ہے، عام لغوی معنی سے ہٹ کر یہ لفظ چونکہ اہل تصوف کی ایک اصطلاح کی حیثیت سے زیادہ جانا پہچانا جاتا ہے۔اِس لئے ذیل میں اس کے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اِس کا شرعی حکم اور دیگر متعلقہ امور پر بحث قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

### کشف کا لغوی معنی

۱۔ کشف(ض) کشفا و کاشفة الشيي و عن الشيي۔ظاہر کرنا،کھولنا،کہا جاتا ہے۔کشف اللّٰہ غمہ۔اللہ اِس کے غم کو زائل کردے(المنجد اردو ص۸۸۰)

۲۔ کشف۔ الشیی۔کھولنا۔ظاہر کرنا(المنجد اردو ص۸۸۰)

۳۔ کشف(ن) کھولنا،ظاہر کرنا،ننگا کرنا،بدی اور ضرر کو دور کرنا عن الساق کسی چیز کی سختی کا انتہا کو پہنچ جانا (د)بہل،معائنہ،تحقیق (بیان اللسان ص۶۸۱)

۴۔ کشف(ع ا۔ صف) کھولنا،ظاہر کرنا،پردہ اُٹھانا،غیب کی باتوں کا اظہار،انکشاف،الہام،القاء(فیروز اللغات اردو ص۱۰۱۵)

۵۔ کشف(ع) اسم مذکر،کھولنا،ظاہر کرنا،برہنہ کرنا،پردہ اُٹھانا،ظہور،توضیح انکشاف،اظہار،تصریح،تفسیر،شرح۔

### خلاصہ کلام

عربی اور اردو نیز فارسی تینوں زبانوں میں لفظ کشف کا لغوی مفہوم اظہار و انکشاف ہے یعنی کسی چیز کو کھولنا یا اِس کی توضیح وتشریح کرنا۔

### کشف کا اصطلاحی مفہوم

یہ لفظ اہل تصوف کی زبان میں ایک خاص معنی اور مفہوم رکھتا ہے۔چنانچہ اُردو

لغت کی مشہور کتاب فرہنگ آصفیہ کے (ص ۵۷۲جلد۳) میں اِس کی وضاحت اِن الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔

۱۔صوفیوں کی اصطلاح میں وہ درجہ جس پر پہنچ کر غیب کے اسرار کھل جائیں یعنی دل کی صفائی کے سبب غیب کا حال معلوم ہو جانا مجازاً وحی، الہام، آوازِ غیب، القاء اکاش بانی، مرادف کرامات۔

۲۔(اصطلاح صوفیہ)وہ درجہ جس پر پہنچ کر غیب کے اسرار ظاہر ہو جائیں، آوازِ غیب ایک شاعر کہتا ہے۔

بات دل کی چھپاؤ گے تم کیا ہم فقیروں کو کشف ہوتا ہے

۳۔کشف۔جو اولیاء اللہ اور انبیاء کرام کو ہوتا ہے۔وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن پر بعضے امور غیبی اور مخفی باتیں جو چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے (لغات الحدیث جلد۵ کتاب ک ص ۵۹)

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کشف کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی وضاحت یوں فرماتے ہیں۔

خرق عادت کئی قسم پر ہے ایک قسم کشف ہے وہ دو طرح ہے کشف کونی، کشف الٰہی۔

**کشف کونی**۔یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کیلئے حجاب نہ رہے۔کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔

**کشف الٰہی**۔یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اِس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں۔

نیز حکیم الامت کشف سے حاصل ہونے والے علم کی حیثیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کشف والہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے قابل عمل ہوگا ورنہ واجب الترک، اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن خود کشف کشف میں باہم اختلاف ہوا تو اگر وہ دونوں کشف ایک شخص کے ہیں تب تو اخیر کشف پر اعتماد ہوگا اور اگر وہ دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بنسبت صاحب سُکر کے قابل عمل ہے اور اگر دونوں

صاحب صحو ہیں تو جسکا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہو وہ قابل اعتبار ہے اور اگر اِس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الٰہی وقبولیت کے زیادہ پائے جائیں اس کے کشف کو ترجیح ہوگی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا اور دوسرا کشف کئی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہوگی اور وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہوگی ۔ (تعلیم الدین ص ۱۶۷،۱۶۸)

اِسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ اپنی کتاب ''شریعت وطریقت کا تلازم،، میں کشف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ ''کشف مشائخ سلوک کو بہت کثرت سے ہوتا ہے جو بسا اوقات تو مجاہدات پر متفرع ہوتا ہے اور بسا اوقات وہی ہوتا ہے جو مجاہدات پر موقوف ہوتا ہے اور تصوف کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مجاہدہ اور ریاضات کرنے والے کو کشف ہونے لگتا ہے''۔

نیز کشف کے بارے میں اپنے اکابر کی رائے کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ۔

''میرے اکابر نور اللہ مراقدہم مکاشفات کو اگر وہ صحیح بھی ہوں تب بھی **مانع عن الطریق** سمجھا کرتے تھے میرے حضرت (مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ) کا ارشاد تھا کہ یہ ایسا ہے جیسے راستہ چلتے راستہ میں دائیں بائیں ، باغیچے، پھول، پھلواری نظر آتے ہیں اگر کوئی ان کے دیکھنے اور مزا لینے میں لگ جائے تو راستہ قطع نہیں ہوگا یعنی مقصود تک پہنچنے میں دیر لگے گی اِس لئے میرے اکابر عام طور سے ان کشوف کو پسندیدہ نہیں سمجھتے تھے'' لیکن آگے چل کر حضرت شیخ الحدیث کشف کی تائید میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی عبارت نقل کرتے ہیں جو فتاویٰ ابن تیمیہ کے۔ (ص ۲۰۴ جلد نمبر ۱۱) پر درج ہے

''کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ فرمانبرداروں کے مونہوں کے قریب ہوا ور جو کہیں اس کو سنو کیونکہ ان پر امور صادقہ ظاہر ہوتے ہیں یہ امور صادقہ جن کی خبر حضرت عمرؓ نے دی ہے یہ ایسے امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر منکشف فرماتے ہیں ۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کیلئے اللہ کیلئے مخاطبات اور مکاشفات ہیں'' انتخاب (شریعت وطریقت کا تلازم ص ۱۹۷ تا ۲۰۹)

''دائرہ معارف اسلامیہ میں کشف کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت اِن الفاظ میں کی گئی ہے''۔

### کشف کا لغوی معنی

کھولنا، ظاہر کرنا، حجاب دور کرنا، انکشاف، کھلنا، ظاہر ہونا، حجاب دور ہو جانا۔

### کشف کا اصطلاحی معنی:

(1) علم عروض کی اصطلاح میں (2) علم تصوف کی اصطلاح میں

(1) علم و عروض کی اصطلاح: (کشف باشین منقوطہ یا کسف باسین مہملہ) (ع) الزمخشری، قسطاس، فیروز آبادی، قاموس سکا کی، مفتاح کا قول ہے کہ اصلاً ''کسف'' (باسین مہملہ، کاٹنا) ہے ''کشف،، (باسین منقوطہ تصحیف ہے) علم عروض کی اصطلاح میں ایک زحاف کا نام۔ مراد رُکن ساتویں متحرک حرف یا وتد مفروق کے حرف متحرک دوم کا حذف، یعنی مفعولات، کی تاء ساقط کر کے بقیہ ''مفعولاً'' کو ''مفعولن'' سے بدل لینا۔ رُکن مزاحف کو مکشوف (یا مکسوف) کہتے ہیں۔

صاحب مفتاح کے نزدیک کشف (یا کسف) وقف (سکون تائے مفعولات بضم تاء) اور ''کف'' (حذف تائے ساکن مفعولات) کے اجتماع کا نام ہے، یعنی پہلے وقف کے عمل سے مفعولات کی تاء کو ساکن کیا پھر کف کے عمل سے مفعولات کی تائے ساکن کو حذف کیا مفعولاً رہا، اِسے مفعولن سے بدل دیا۔

پہلی صورت میں کشف (یا کسف) زحافات مفردہ میں شمار ہوگا، دوسری صورت میں زحافات مزدوجہ میں۔

**ماخذ**۔ عربی فارسی اور اردو میں علم عروض کی تقریباً سب کتابیں۔ نیز الجرجانی تعریفات بذیل مادہ ھادی علی بیگ۔

(2) علم تصوف کی اصطلاح میں: تصوف میں یہ وسیع ترین اصطلاح ہے جو صوفی کے سامنے سے حجابات بمراتب اُٹھ جانے کیلئے استعمال کی جاتی ہے اس کا سوچ سمجھ کر تجزیہ کیا جائے

تو اِس میں تین درجے نکلتے ہیں۔

(۱) محاضرہ، جس میں عقل سے بذریعہ برھان کام لیا جاتا ہے۔

(۲) مکاشفہ، جس میں علم سے بذریعہ بیان وتشریح کام لیا جاتا ہے۔

(۳) مشاہدہ، جو براہِ راست ذاتی تجربہ (معرفت) کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (ہر ایک کی الگ الگ تشریح کی جاتی ہے)

(۱) کے ذریعے **ارباب العقول علم الیقین** تک پہنچتے ہیں۔ یہ منزل حدود فکر ونظر ہی سے تعلق رکھتی ہے اور اسے درحقیقت کشف نہیں کہا جاسکتا۔

(۲) کے ذریعے **اصحاب العقول** کی رسائی **عین الیقین** کے درجے تک ہوتی ہے۔

(۳) کے ذریعے **اصحاب المعرفة حق الیقین** تک پہنچ جاتے ہیں۔

**حق الیقین** مطلوب حقیقی کا بلاواسطہ دیدار ہے اور اسے بعض اوقات معاینہ بھی کہتے ہیں۔

القشیری الرسالہ طبع (مع شرح) از زکریا الانصاری والعروسی، بولاق ۱۹۲۰ء ۲، ۹۷۔ بیعد الھجویری کشف المحجوب مترجمہ نکلسن ص ۳۷۳ بعد واشاریہ۔

ماخذ متن میں مذکور ہیں۔ اِن میں (التھانوی) کشاف اصطلاحات القانون ۲، ۱۲۵۴ کا اضافہ کرلیا جائے۔ (D.B. Macdonald)

## تعلیقه

تصوف میں کشف یا مکاشفہ کے معنی ہیں رفع حجاب۔ یہ ایک روحانی کیفیت ہے جس کا ادراک حواس ظاہرہ سے نہیں کیا جاسکتا۔ (التھانوی، کشاف بذیل مادہ) اِسے مشاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔ کشف کی چند اقسام یا مراتب ہیں۔

### (۱) کشف نظری

جب سالک اپنے جذبہ ارادت سے طبیعت سفلی سے حقیقت علیین میں قدم رکھتا

ہے اور اپنے باطن کو ریاضت کے ذریعے صاف کر لیتا ہے تو اِس کی چشم باطن کھل جاتی ہے اور اِس رفع حجاب کے مطابق اِس پر حقائق کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔ یہ کشف نظری ہے۔

(۲) کشف نوری

جب (کشف نظری) اِس سے آگے بڑھ جاتا ہے اور نور دل اِسے حاصل ہو جاتا ہے تو اِسے کشف نوری کہا جاتا ہے۔

(۳) کشف سری

اِس سے (یعنی کشف نوری سے) ترقی کر کے کشف سری کی منزل آ جاتی ہے اِسے کشف الٰہی بھی کہتے ہیں۔ یہاں آفرینش کے اسرار اور حکمت وجود کا پتہ چلتا ہے۔

(۴) مکاشفہ روحانی

اِس کے بعد (کشف سری) آگے بڑھ کر بہشت و دوزخ اور دیگر عوالم کی حقیقت کھل جاتی ہے اِسے مکاشفہ روحانی کہا جاتا ہے۔

(۵) مکاشفہ صفاتی

اِس کے بعد (مکاشفہ روحانی) مکاشفہ خفی۔ اِس منزل میں عالم صفات خداوندی میں سالک کو راستہ ملتا ہے۔ اِسے مکاشفہ صفاتی کہا جاتا ہے۔

(۶) مکاشفہ ذاتی

آخری منزل مکاشفہ ذاتی کی جو بہت مشکل ہے، (التھانوی۔ کشاف۔ بحوالہ مجمع السلوک)۔

کشف اللغات کے مطابق۔ مکاشفہ آنرا گویند کہ آشکارا شود ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت، یعنی از نفس و دل و روح و سر واقف حال شود (دیکھئے ایضاً)

مکاشفہ (کشف) کو **مداناۃ المحاضرہ** اور **المشاھدہ** بھی کہتے ہیں سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ لیکن کشف کی اصطلاح عام و مکمل ہے ابونصر سراج کتاب **اللمع** قاھرہ ۱۳۸۰ھ، ۱۹۶۰ء ص ۴۱۲ کشف کی جدید ترین تعبیرات کیلئے دیکھئے محمد اقبال

Recosnt Ruction of Religious Thought in Islam باب اول

وبعد (سید عبداللہ نے لکھا) ادارہ (ماخوذ دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور جلد نمبر ۱۷ ک ۔ الکلان ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء طبع اول) ص ۲۷۹ تا ص ۲۸۰ ۔

## حضرت شاہ سید محمد ذوقی لکھتے ہیں

کشف: لغت میں کشف پردہ اُٹھانے کو کہتے ہیں ۔

اصطلاح صوفیہ میں امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اُٹھانا اور حقیقت ورائے حجاب پر وجوداً اور شہوداً اطلاع پانا کشف ہے ۔

## کشف کی اقسام

اِس کی دو قسمیں ہیں ۔(۱) کشف صوری (۲) کشف معنوی ۔

(۱) کشف صوری کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خواب میں جو معاملات بندہ کے ساتھ پیش آویں وہ بیداری میں بھی اِس کے ساتھ پیش آنے لگیں ۔

کشف صوری میں بالعموم حواس خمسہ عالم مثال میں صورتوں کا ادراک کرتے ہیں ۔ یہ ادراک کبھی بطور مشاہدہ کے ہوتا ہے جیسے اہل کشف انوار روحانی اور ارواح کی صورتوں کو متجسد دیکھتے ہیں ۔ کبھی بطور سماع کے ہوتا ہے ۔ جیسے رسول اللہ ﷺ اِس وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی تھی مسلسل کلام کی صورت میں سنتے تھے اور گھنٹے کی سی آواز اور مکھیوں کی سی بھن بھناہٹ میں اِسے پاتے تھے کبھی وہ کشف نفحات الٰہی اور شمائم ربانی کو سونگھنے کے طور پر ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ تمہارے دہر کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے بہت نفحات اور خوشبوئیں ہیں ۔ ہوشیار رہو اور ان کو لو اور دریافت کرو ، یا جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نفس رحمانی کو یمن کی جانب پاتا ہوں ۔ کبھی وہ کشف بطور ملامست کے ہوتا ہے اور ملامست سے دو انوار یا دو اجسام کا آپس میں ملنا مراد ہے ۔ (سر دلبراں ص ۲۸۶) اِسی کتاب میں پھر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں ۔

(۲) کبھی وہ کشف بطریق ذائقہ کے ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مختلف اقسام کے کھانوں کو دیکھتا ہے یا دیکھتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے تو اِسے معانی غیبیہ پر اطلاع ہوتی ہے ۔ جیسے رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے کو دودھ پیتے دیکھا یہاں تک کہ سیری میرے ناخنوں سے ظاہر ہوئی ۔

پھر میں نے اپنا الش عمر کو دیا پھر میں نے اِس کی تعبیر علم سے کی۔کبھی اقسام متذکرہ بالا میں سے چند اقسام کی صورتیں آپ میں مجتمع ہوکر ایک ہی وقت میں پیش آتی ہیں۔

(۳) کشف کونی یعنی کشف صوری کی وہ انواع جن سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے خلاف شرع (مراد غیر مسلم ہیں) لوگوں کے لئے استدراج بن جاتی ہے۔مجاہدات و ریاضات کے سبب سے جوگیوں اور راہبوں وغیرہ کو اِس نوع کا کشف ہونے لگتا ہے اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔

(۴) مکاشفات کے بھی مدارج ہیں بعض مکاشفات صوری ہوتے ہیں بعض معنوی۔اور بعض صوری اور معنوی دونوں کے جامع۔بعض اہل کشف کیلئے چند حجابات اُٹھتے ہیں اور بعض کیلئے جملہ حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔

(۵) مکاشفہ سماعی کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اہل کشف حق تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے کلام سنے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج اور ان اوقات میں سنا جن کی بابت اِس حدیث میں اشارہ ہے۔ **لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنیفیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل** یعنی مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جن میں ملک مقرب اور نبی مرسل نہیں سماتے۔

اور جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو حق تعالیٰ سے بے واسطہ سنا۔اِس کے بعد وہ مرتبہ ہے جس میں حق تعالیٰ کا کلام جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے سنا جائے جیسا کہ ہمارے رسول ﷺ نے کلام ربانی قرآنی جبرائیل کے واسطہ سے سنا۔

اِس قسم کے مکاشفات کا منبع و مخزن قلب انسانی اور اِس قلب کے حواس ہیں۔قلب بھی سمع و بصر دیگر حواس سے آراستہ ہے حق تعالیٰ کا کلام جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے سنا جائے جیسا کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے کلام ربانی قرآنی جبرائیل کے واسطہ سے سنا۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔**فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور**۔(الحج) پس تحقیق وہ (یعنی اِن کی بابت یہ ہے کہ) نہیں اندھی ہوجاتی ہیں آنکھیں ان کی لیکن اندھے ہوجاتے ہیں دل وہ جو بیچ سینوں کے ہیں۔

اورفرماتا ہے(اللہ تعالیٰ) **ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ** (البقرہ)مہر کردی اللہ نے اِنکے دلوں کےاوپراورانکے کانوں کےاوپراور انکی آنکھوں پرپردہ ہے۔(انتخاب سر دلبراں ص ۲۶۸ تا ۲۷۳)

## شیخ ابونصر سراج المتوفی ۳۷۸ھ کشف کی تشریح یوں کرتے ہیں

کشف۔ جوچیز فہم سے پوشیدہ ہواوراسے بندے پر اِس طرح ظاہر کردیا جائے کہ جیسے عینی مشاہدہ ہو، کشف کہلاتا ہے۔

ابومحمد جریریؒ نے فرمایا! جس نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کوتقوٰی وتوجہ سے نہ نبھایا وہ کشف و مشاہدہ سے دور رہا۔

نوریؒ فرماتے ہیں! مکاشفات عیون متعلق ہیں دیکھنے سے اور مکاشفات قلوب کا تعلق اتصال سے ہے۔(کتاب اللمع فی التصوف ص ۵۷۱ تا ۵۷۲)

## امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین سے کشف کے چند واقعات

جاننا چاہئے کہ جس شخص کے دل میں کچھ تھوڑی سی چیز بھی بطریق الہام یا بے خبر دل میں پڑنے سے منکشف ہوجاوے تو وہ بجہت صحت طریق کے علوف کہلاوے گا۔ پھر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں **وتشھد لذالک شواھد الشرح والتجارب والحکایات** اورکتاب وسنت کے دلائل اور اولیائے اللہ کے تجربے اوران کے منقولہ واقعات اِس کے یعنی کشف والہام کے شاہد ہیں۔

اِس کے بعد پورے ایک صفحہ پر قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور بعض صحابہ کرامؓ کے اقوال سے انہوں نے اِس پر روشنی ڈالی ہے۔

اِس کے بعد صحابہ کرامؓ اور بعد کے اولیاء اللہ کے کشف والہام کے کچھ واقعات نقل فرمائے ہیں ان میں چند واقعات ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

**واقعہ نمبر ا۔**

سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے **قال ابوبکر الصدیقؓ**

لعائشة رضی اللّٰہ عنہا عند موتہ انما ھما اخواک و کانت زوجۃ حاملاً فولدت بنتاً فکان قد عرف قبل الولادۃ انھا بنت ۔انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنی صاحبزادی سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میرے وارث (تمہارے علاوہ) تمہارے دو بھائی ہیں اور دو بہنیں ہیں (حالانکہ اس وقت سیدہ حضرت عائشہ کی ایک ہی بہن سیدہ حضرت اسماءؓ تھیں مگر) سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی (بنت خارجہ) حاملہ تھیں بعد میں ان سے (یعنی ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد) لڑکی پیدا ہوئی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو (کشف یا الہام) کے طور پر پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ بچی پیدا ہوگی۔

(احیاءالعلوم مترجم ص ۳۹ ج ۳)

نوٹ! یہ بات سیدنا صدیق اکبرؓ کو فراست صادقہ یا کشف والہام سے معلوم ہوگئی ہوگی اور ان ذریعوں سے ایسی جزئیات کا علم ہوسکتا ہے اور ہو جاتا ہے قرآن پاک میں سورۃ لقمان کی آخری آیت میں مـا فی الارحـام کو جواللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص بتلایا گیا ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِسکا علم کلی محیط صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا۔

یہ واقعہ ''احیاءالعلوم'' کے علاوہ ان کتابوں میں بھی ہے موطا امام مالک ص ۳۱۴، سنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۷۰ ج ٦، طحاوی شریف ص ۲۴۵ ج ۲ الاصابہ ص ۲۸٦ ج ۸ تاریخ الخلفاء ص ۶۱ انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۰۲۔

### دوسرا واقعہ

حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کے درمیان ارشاد فرمایا کہ یا ساریۃ الجبل یعنی جب آپ کو کشف سے معلوم ہوا کہ دشمن لشکر اسلام پر چڑھ آیا تو آپ نے لشکر اسلام کو للکارا کہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ پھر آواز کا لشکر میں پہنچ جانا بڑی کرامت ہے۔

(احیاءالعلوم مترجم ص ۳۹ ج ۳ و شرح عقائد ص ۱۰۵ تا ص ۱۰٦)

### تیسرا واقعہ

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز حضرت عثمانؓ کی خدمت میں جا

رہا تھا راستہ میں مجھ کو ایک عورت ملی میں نے اس کو دیکھا اور اس کے حسن کا اچھی طرح معائنہ کیا پس جب بھی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عثمان نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض آدمی میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ آنکھوں کا زنا بری طرح سے دیکھنا ہے تو توبہ کرورنہ تجھ کو سزا دوں گا میں نے پوچھا کہ بعد آنحضرت ﷺ کے بھی وحی ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بصیرت اور فراست صادقہ ہے۔ یہ تینوں واقعات احیاء العلوم میں مذکور ہیں۔

## چوتھا واقعہ

اِسی سلسلہ کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو امام بخاریؒ کی والدہ بڑی عابدہ اور صاحب کرامات تھیں خدا سے دعا کرنا رونا۔ عاجزی کرنا ان کا حصہ تھا امام بخاریؒ کی آنکھیں صغرسنی میں خراب ہوگئی تھیں۔ بصارت جاتی رہی۔ اطباء علاج سے عاجز آ گئے۔ امام بخاریؒ کی والدہ نے حضرت ابراہیم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ تمہارے رونے اور دعا کرنے سے تمہارے بیٹے کی آنکھیں خدا نے درست کردیں وہ کہتی ہیں کہ جس شب کو میں نے خواب دیکھا اِسی کی صبح کو میرے بیٹے (محمد) کی آنکھیں درست ہوگئیں۔ روشنی پلٹ آئی اور وہ بینا ہو گئے۔ افسوس بینائی جانے کی کیفیت اور اِس کا سبب مفصل معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن بعد پلٹنے کے اِس بینائی کی قوت اِس درجہ پہنچی کہ چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر کا مسودہ لکھا۔ ابو علی غسانی کے الفاظ یہ ہیں۔ **کان محمد بن اسماعیل قد ذهب بصره فی صبا و کانت له والدة متعبدة فرات ابراهيم خليل الرحمان صلوات الله عليه فی المنام فقال لها ان الله تبارک و تعالیٰ قدرد بصرا بنک بكثرة دعائک و بكائک قالت فاصبحت و قدرد الله عليه بصره** ۔ (سیرۃ البخاری ص۴۲ از مولانا محمد عبدالسلام مبارکپوری اعظم گڑھی غیر مقلد مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)۔

# عشق حقیقی مولنا جلال الدین رومی کی نظر میں

حافظ شہزاد احمد ( گوجرانوالہ )

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی صدی کے بہت بڑے آدمی گزرے ہیں ۔اللہ نے انہیں اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔

604ہجری میں بلخ میں پیدا ہوئے ،حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے تھے ۔جب آپ کی ملاقات شمس تبریزؒ سے ہوئی تو انہوں نے آپ کے سینے میں عشق حق کی آگ لگا دی۔ آپ ان دنوں درس وتدریس میں مشغول تھے ۔مگر آپ کو درسِ عشق ومعرفت کیلئے پیدا کیا گیا تھا اور عاشقوں کا درس ذکر محبوب اور ان کا مدرس حسن دوست ہوتا ہے ۔

مولانا رومؒ پر ان کے شیخ حضرت شمس تبریزؒ کے فیض صحبت نے کیا اثر دکھایا اِس کا پتہ ''مثنوی'' سے چلتا ہے ۔مثنوی میں اٹھائیس ہزار اشعار ہیں ۔جو مولانا رومؒ کی زبان سے نکلے ہیں ۔

درس شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات است و باب و سلسلہ

ترجمہ! عاشقوں کا درس اللہ تعالیٰ کی یاد میں گریہ زاری اور وجد ورقص ہے نہ کہ کتابوں کا پڑھانا ہے۔

بنی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و استا

ترجمہ! اگر اللہ تعالیٰ سے قلب میں صحیح رابطہ نصیب ہو جاوے تو بغیر کتابوں اور استاد کے علوم نبوت کا فیضان ،قلب میں دیکھو گے ۔

مولانا رومؒ بادشاہ کے نواسے اور اپنے وقت کے زبردست محدث ومفسر تھے ۔جس وقت آپ پالکی پر ہوتے تو مولانا کی محبت میں سینکڑوں شاگرد پیدل پیچھے پیچھے چلتے تھے اب وہی مولانا رومؒ اللہ کی محبت میں اپنے پیر کا سامان گڈری ،چکی ،پیالہ ،غلہ اور بستر سر پر رکھتے گلی گلی پھر رہے ہیں ۔

ایں چنیں شیخ گدائے کو بکو
عشق آمد لا ابالی فاتقو

ترجمہ! اتنا بڑا شیخ آج گدا بن کر دربدر پھر رہا ہے۔ عشق جب آتا ہے تو اس شان سے آتا ہے۔
جب مولانا رومؒ پر عشق الٰہی کا اثر ظاہر ہوا تو شہر میں فتنہ اُٹھا۔ کہ شمس تبریزیؒ نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ فتنے کے ڈر سے حضرت تبریزیؒ چپکے سے دمشق چلے گئے۔ آپ کی جدائی سے مولانا رومؒ کو سخت صدمہ ہوا۔ عشق الٰہی نے مولانا رومؒ کو اس طرح دیوانہ کر دیا۔ نہ پالکی رہی نہ جبہ دستار نہ شاگردوں کا ہجوم، شان علم پر شان فقر غالب آ گئی۔ اور مولانا علم کی صحیح حقیقت سے آگاہ ہو گئے فرماتے ہیں۔

علم نبود الا علم عاشقی
ما بقی تلبیس ابلیس شقی

ترجمہ! حقیقی علم اللہ تعالیٰ کی محبت کا نام ہے۔ اِسکے بجائے اگر علوم ظاہری سے مقصود اللہ تعالیٰ کی محبت سے روگردانی ہےتو ایسا علم ابلیس کی تلبیس کا ذریعہ ہے۔

علمے کہ رہ بحق نما ید جہالت است

ترجمہ! جو علم اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ نہ بنے وہ جہالت ہے۔
علم کا حصول بغیر پیر کامل کی صحبت کے نہیں ہوتا۔ جب دستار فضیلت کو دستار محبت میں گم کر دیا جاتا ہے۔ تب کام بنتا ہے۔
اِس بارے میں مولانا فرماتے ہیں۔

قال رابگزار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

ترجمہ! زبانی تقریروں اور قیل وقال کو چھوڑ اور اپنے آپ کو کسی کامل مرد کے سامنے پیش کر دو۔
کسی شاعر نے کہا ہے کہ۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اِک سینہ بسینہ اک خانہ بخانہ ہے

مولانا رومؒ پر حضرت تبریزیؒ کی نظر نے کیمیا کا اثر دکھایا۔ اور وہ فیض ملا جو بڑے بڑے مجاہدات سے طویل وقت میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے پیر کی ایک ایک

بات سے محبت ہوگئی تھی۔

پیر باشد نزد بان آسمان
تیر پراں از کہ گرو واز کماں

ترجمہ! پیر کا وجود اللہ تعالیٰ تک رسائی کیلئے مثل سیڑھی ہے اور تیر کا تیز رفتاری سے اُڑنا بغیر کمان کے کب ہوتا ہے۔

اولیاء را در دروں بانغمہ ہاست
طالبان را زاں حیات بے بہاست

ترجمہ! اولیاء اللہ کے قلب میں عشق حقیقی کے ہزاروں نغمات پوشیدہ ہیں جن سے طالبین کو حیات بے بہا عطا ہوتی ہے۔

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ را
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

ترجمہ! زاہد کی رفتار سلوک ہر ماہ میں ایک دن کی مسافت کے برابر ہوتی ہے۔اور عاشقین کی ارواح ہر سانس میں تخت شہنشاہ حقیقی تک پرواز کرتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت میں کہے گئے مولانا کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔جو سالکین راہ خدا کے جذبات کے ترجمان ہیں۔

کار درویشی ورائے کارہاست
دمبدم از حق مرایشاں را عطا ست

ترجمہ!اللہ کے عاشقوں کی کائنات ہی الگ ہے۔ان کے کام عام عقل وافہام سے بالاتر ہیں۔

ہر کہ عاشق گشت رست از وقت و حال
غرقہ شد در بحر عشق ذوالجلال

ترجمہ! جو اللہ کا عاشق ہوگیا وہ زمانہ کی غلامی سے آزاد ہوگیا۔وہ اللہ کے عشق کے سمندر میں غرق ہوگیا۔

رو بجو یار خدائی را تو زود
چوں چنیں کردی خدا یار تو بود

ترجمہ! جاؤ کسی اللہ والے کو ڈھونڈو اور اگر اس سے دوستی کر لی تو اِس کی دوستی کے صدقے تم بھی اللہ کے دوست ہو جاؤ گے۔

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
بہر خوشنودی شاہ فرد خویش

ترجمہ! میں اپنے غم اور درد پر بھی عاشق ہوں اور صبر اپنے اللہ کو راضی کرنے کیلئے اختیار کرتا ہوں۔

از محبت تلخہا شیریں شود
از محبت سِتہا زریں شود

ترجمہ! محبت سے تمام تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں اور محبت سے تانبا سونا بن جاتا ہے۔

از محبت نار نورے می شود
از محبت دیو حورے می شود

ترجمہ! محبت سے آگ نور بن جاتی ہے اور محبت سے ناپسندیدہ بھی محبوب بن جاتا ہے۔

شرح عشق از من بگویم بر دوام
صد قیامت بگذرد واں نا تمام

ترجمہ! اگر میں شرح عشق ہمیشہ بیان کرتا ہوں۔ تو سو قیامتیں بھی گزر جائیں وہ بیان مکمل نہیں ہوگا۔

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
یا فتند از عشق اوکارو کیا

ترجمہ! حق تعالیٰ کا عشق حاصل کرو کہ تمام انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ ہی کے عشق سے لازوال سلطنت عطا ہوئی۔

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد
اوز غولاں گمرہ و در چاہ شد

ترجمہ! جو شخص بغیر مرشد کے راہ حق کو طے کرتا ہے، وہ شیاطین کی گود میں پہنچ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

ترجمہ! اے اللہ میں اپنا سینہ آپکی جدائی کے غم سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہوں۔ تا کہ آپ کی محبت کے درد کو کھل کر بیان کرسکوں۔

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست
مر زبان را مشتری جز گوش نیست

ترجمہ! اِس رازِ محبت کا محرم وہی ہوتا ہے۔ جو ماسوائے حق سے اپنے آپکو بے خبر اور بے ہوش کرتا ہے۔ جس طرح زبان کی بات کا خریدار صرف کان ہی ہوتا ہے۔

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد
اوز حرص و عیب کلی پاک شد

ترجمہ! عشق حقیقی ہی اخلاق اور تزکیہ نفس کیلئے بہترین ذریعہ ہے۔ اِس کی برکت سے انسان ہوا و ہوس اور تمام عیوب سے پاک ہوجاتا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

ترجمہ! اے عشق تو بہت ہی اچھی بیماری ہے۔ جسے لگ جاتی ہے۔ اِسکے تمام بیماریوں کی طبیب بن جاتی ہے۔

یہ وہ چند اشعار ہیں جس میں مولانا رومؒ نے اللہ تعالٰی کی محبت اور عشق کو بیان فرمایا۔ ان اشعار میں یہ بات واضح کی گئی ہے۔ کہ عشق ایسی صفت ہے کہ جس کے اندر یہ صفت پیدا ہوجائے۔ اِس کیلئے اللہ تعالٰی کی محبت و معرفت اور رویت باری تعالٰی کا حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

دل مضطرب کا یہ پیغام ہے
تیرے بن سکون ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
بس یہی محبت کا انعام ہے

اللہ تعالٰی سے دُعا کہ کہ اللہ ہمارے دلوں میں اپنی خالص محبت کا چراغ روشن کردے۔ آمین

# تسلیم و رضا

عبدالقیوم ہاشمی

دینِ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو تمام انسانیت کے دنیوی اور اُخروی زندگی کے تمام مسائل کا قابلِ عمل حل پیش کرتا ہے۔دین اسلام کی تمام تعلیمات کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق، مالک، معبود اور رب تسلیم کرتے ہوئے تمام زندگی اُسی کی مرضی اور سپردگی میں گذار دے۔

یعنی انسان اُس کا بندہ بن کر رہے جس کو اِس نے اپنا اِلہٰ اور حاکم و بادشاہ تسلیم کیا ہے۔اپنی خواہشات نفس کی بندگی چھوڑ دے، اپنے وجود، اپنی جسمانی قوتوں اور ذہنی و علمی قوتوں کو اللہ کی ملکیت اور اپنے پاس امانت سمجھے، خود کو اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے جوابدہ اور ذمہ دار سمجھے کہ اُسے قیامت کے روز اللہ ہی کو ان سب باتوں کا حساب دینا ہے۔رسول کریم ﷺ کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بنائے ہوئے معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اِس معیار کے لحاظ سے جس درجہ پر ہو اس کو اُسی درجہ پر رکھے۔

اگر ہر مسلمان کا طرز زندگی اِس نہج پر ہو جائے جو کہ اسلامی تعلیمات کی اساس کہی جا سکتی ہے تو اُسکی ساری زندگی اس کوشش میں گذرے گی کہ اُس کا رب اُس سے راضی ہو جائے۔

**ان الصلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمینo**

''بے شک میری نمازیں، میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔

یہ ہے وہ طرزِ فکر و عمل جسکا اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے متقاضی ہے۔دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے ہر شخص کو اَن گنت مصائب اور مسائل درپیش رہتے ہیں جو اُسے منزلِ مقصود یعنی قرب و رضائے باری تعالیٰ سے روکتے رہتے ہیں لہٰذا اِس مرحلہ پہ سوائے تسلیم و رضا اور صبر و برداشت کے کوئی عمل اور رویہ کام نہیں آتا۔جو لوگ اللہ کی رضامندی کو چھوڑ کر ہر ایک کو راضی کرنا چاہتے ہیں درحقیقت وہ کسی کو بھی راضی نہیں کر پاتے اِسکے برعکس ایک مومن کامل یکسوئی کے ساتھ اللہ کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر چل رہا ہوتا ہے، اُسے صرف اپنے رب کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور اِس منزل کو پا لینے کا یقین اُسے ہر قدم پر مسرور رکھتا ہے۔پھر ایک مومن جہاں کہیں بھی ہوتا

ہےاور جس قسم کے بھی حالات ہوں اُسکا یقین ایمان اس بات پر پختہ رہتا ہے کہ اِسکا رب اُسکے ساتھ ہےاور اُسکی مدد پر قادر ہےاُسے ہر مصیبت اور مشکل سے بچا سکتا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتب من قبل ان نبراھا۔ ان ذلک علی اللہ یسیرo لکیلا تا سوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتکم۔واللہ لا یحب کل مختال فخورo**

ترجمہ! ''کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہواور ہم نے اِسکو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ایسا کرنا اللہ کیلئے بہت آسان کام ہے۔تا کہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہوا اُس پر تم دل شکستہ نہ ہواور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اُس پر پھول نہ جاؤ۔اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خود کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور اور فخر جتاتے ہیں''۔
اِن مصائب و آلام سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے۔سورۃ بقرہ آیت نمبر 153۔

**یایھاالذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ۔ اِن اللہ مع الصبرینo**

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
یعنی صبر و نماز ہی وہ واحد کارگر ہتھیار ہیں جو سراپہ تسلیم و رضا بننے کا ذریعہ ہیں۔آج کا دور بےحد تبدیل ہو چکا ہےاور اللہ سے دور کرنے کے سامان بےشمار ہیں۔اِس لئے شیطانی چالوں کی کثرت کے مقابلے میں اُسی حساب سے زیادہ تیاری بھی درکار ہےلہٰذا اِس دور میں نماز کے ساتھ کثرت ذکر اور صالح صحبت بھی اُسی طرح اہم ہو جاتی ہے جتنی کہ نماز اور صبر کے ہتھیار۔ ماضی و حال کی اُمنگوں کی عدم تکمیل اور مستقبل کے موہوم خطرات کا احساس انسان کو تسلیم و رضا کے رستہ سے ہٹا دیتا ہےلہٰذا مومن اِن قرآنی آیات پہ پختہ یقین ہونے کے سبب حسرت و یاس کا کبھی شکار نہیں ہوتا۔اِس طرح ایک سچے مومن کی زندگی ہر حال میں اطمینان قلب سے سرشار رہتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں تسلیم و رضا پہ مبنی زندگی بسر کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور اِسکے نتیجے میں اپنا قرب، محبت اور لقاء نصیب فرمائیں۔ (آمین)

# کھوٹے سکے

**پروفیسر محمد فاروق (گوجرانوالہ)**

ہر طرف ایک شور برپا ہے کہ انسان اب انسان نہیں رہا بلکہ وہ وحشی درندہ بن گیا ہے۔ جو اپنی مادی ضروریات کے حصول کیلئے ہر طرح کے اخلاقی اقدار سے عاری نظر آتا ہے۔ اگر ہم بطور فرد واحد مشاہدہ کریں تو ہم کو ہر شخص یہی راگ الاپتا نظر آئے گا۔ ہر کوئی انسان اجتماعی حالت زار پر پریشان دکھائی دیتا ہے اور اس پر لب کشائی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اگر آپ چار دوستوں کی محفل میں بیٹھ جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر اک کا دل ملک اور اس میں بسنے والوں کے درد سے بھرا ہوا ہے۔ ہر شخص آج ملک کے ہر ادارے سے خائف نظر آتا ہے چاہے وہ ادارے سیاسی ہوں یا مذہبی، معاشرتی ہوں یا معاشی سب میں عیب تلاش کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ کسی انقلاب سے یہ فعال اداروں میں بدل جائیں۔ وہ گھپ اندھیری رات میں اچانک صبح ہو جانے کا خواب دیکھ رہا ہے وہ اس امید میں ہے کہ اس کے ہاتھ میں موجود گٹھلی یکدم سے آموں سے لدے درخت میں بدل جائے جو اُسے دم لینے کا سایہ بھی دے اور پیٹ بھرنے کو پھل۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ آج ہر شخص نے کبوتر کی مانند آنکھیں بند کر لیں ہیں اور بڑھتے ہوئے خطرے سے نپٹنے کے لئے عمل سے قاصر ہے۔ ہر شخص کو دیکھ لو باتوں کا ایسا "پنڈورا باکس" کھولے گا تمام مسائل اُلٹ دے گا لیکن اِنکا کوئی ٹھوس حل نہیں بتائے گا۔ شاید اُس کے پاس حل ہے ہی نہیں یا یہ کہ وہ آمادہ عمل نہیں۔ ہم سب کھوٹے سکے بن چکے ہیں جو ہیں تو سکے لیکن کھوٹ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب کباڑ خانے میں بھی استعمال کے قابل نظر نہیں آتے ہیں۔

کھوٹے سکوں سے مجھے بچپن کا اِک واقعہ یاد آتا ہے، اُن دنوں یہ عام رواج تھا کہ جب کوئی دولہا راجہ اپنی رانی کو بیاہنے آتا تھا تو ساتھ میں موجود باراتی جو کہ دوستوں اور عزیزوں پر مشتمل ہوتی تھی دولہا کی خیر خیرات کی غرض سے سکوں کی بارش کیا کرتے تھے اور ہم جیسے لڑکے بالوں کی بس عید ہو جایا کرتی تھی۔ شادی گاؤں میں ہو یا ساتھ والے گاؤں میں باراتیوں کے گرد ہم جیسوں کی اِک بھیڑ لگ جاتی تھی۔ عام طور پر ہم تمام لڑکے وہ سکے جو وہ لٹایا کرتے تھے پلک جھپکنے میں اُٹھا لیتے تھے لیکن کچھ سکے ہماری نظروں سے دور گھری گھاس میں گر جاتے تھے اور وہیں

کے ہو جاتے تھے۔ اِک دن میں گھاس کاٹنے کیلئے گیا۔ میں گاؤں میں گزرنے والی کھال کے کناروں سے گھاس کاٹ رہا تھا کہ اچانک میری درانتی کے کسی چیز سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اِک چونی (چار آنے) نما چیز پڑی ہے جو شکل و شبہات میں نو وہی ہے لیکن وقت اور حالات نے اُس کی وضع پر کافی گہرے اثرات چھوڑے تھے اور ناواقف کیلئے اِس کو پہچاننا دقت آمیز تھا۔ بہر کیف میں نے اُسے قمیض سے رگڑا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر گھاس کاٹنے لگا اُن دِنوں ہماری گاؤں کی مسجد میں مولوی شفیع صاحب امام تھے اور مسجد میں ادائیگی بندگی کے بعد دنیاداری کیلئے کریانے کی اِک دکان چلایا کرتے تھے۔ دکان کیا تھی بس چار پانچ ڈبوں اور چار پانچ لفافوں پر مشتمل سامان تھا جو گاؤں کے بچوں کو دانت خراب کرنے اور بیماری حاصل کرنے کا سامان مہیا کیا کرتا تھا، لیکن چونکہ بچپن میں آدمی اِن باتوں سے بے پرواہ ہوتا ہے اور ہم بھی ٹھہرے پکے پینڈو، سو ہم وہ میلی کچیلی چونی لئے مولوی صاحب کی دکان پر جا دھمکے۔ اور جیب سے چونی نکال کر اُن کے ہاتھ میں تھمائی اور چاول کی بنی گڑ کی پنی کا کہا:۔

مولوی صاحب نے اپنی اِک آنکھ بند کی اور اپنی دوسری آنکھ میں اور روپے کے سکے برابر عدسہ آنکھ میں ٹکاتے ہوئے اُسے غور سے جانچنا شروع کیا اور اگلے ہی لمحے ہمارا دریافت شدہ خزانہ ہمارے منہ پر دے مارا اور میں اِس کو لیے واپس چل پڑا پھر ایکا یک نجانے کیا ہوا میں نے تھوڑا سا تھوک اِس پر پھینکا اور ہتھیلی سے اِسے رگڑا دیکھا تو کچھ میل ہٹ گیا تھا۔ بس میں نے اُسے زمین پر رکھا اور پاؤں کی ایڑی سے رگڑا۔ چونی صاف ہو گئی۔ یا یوں کہیں کہ چلنے کے قابل ہو گئی اسی کے ساتھ میں دوبارہ مولوی صاحب کے حضور پیش ہوا اور انہیں وہ چونی تھما دی اور التجائی نظروں سے دیکھا انہوں نے اِس کا بغور جائزہ لیا اور کہا ''ہن ٹھیک اے'' اِس کے بعد ہمیں ہماری چیز دی۔

آج میں سوچتا ہوں کہ ہم سب کے سب کھوٹے سکے ہیں، جن کو رگڑنے کی ضرورت ہے اگر کہیں سے یہ رگڑا مل جائے، تزکیہ ہو جائے تو کوئی بھی ہمیں بے کار سمجھ کر پھینک نہیں دے گا۔ آیئے کسی ایسے رگڑیے کی تلاش کریں جو کھوٹے کو کھرا کر دے۔ جو ہمارے دلوں پر لگے ہوا و ہوس او ر دنیا کی محبت کے کثیف میل کو صاف کر دے اور یہ دل ایسا چمکدار آئینہ بن جائے جس میں اِسکے ''حقیقی محبوب'' کی تصویر سما جائے۔

# فرمودات واصف علی واصف

**ترتیب:۔نادیہ طالب گوجرانوالہ**

☆ جب عزت اور ذلت اللہ کی طرف سے ہے، رنج و راحت اللہ کی طرف سے ہے، دولت اور غریبی اللہ کی طرف سے، زندگی اور موت اللہ کی طرف سے،تو ہمارے پاس تسلیم و رضا کے علاوہ کیا رہ جاتا ہے۔

☆ رزق صرف یہی نہیں کہ جیب میں مال ہو، بلکہ آنکھوں کی بینائی بھی رزق ہے ۔دماغ میں خیال رزق ہے، دل کا احساس رزق ہے، رگوں میں خون رزق ہے، یہ زندگی ایک رزق ہے اور سب سے بڑھ کر ایمان بھی رزق ہے۔

☆ دانا، نادانوں کی اصلاح کرتا ہے، عالم بےعلم کی اور حکیم بیماروں کی وہ حکیم علاج کیا کرے گا جس کو مریض سے محبت ہی نہ ہو اسی طرح وہ مصلح جو گنہگاروں سے نفرت کرتا ہے ان کی اصلاح کیا کرے گا۔

☆ اب کسی نبی نے دنیا میں نہیں آنا ۔لہٰذا دین کی تبلیغ کی عظیم ذمہ داری ہم سب پر ہے۔ اپنی اصلاح کے بعد یہی اُمت دُنیا کی اصلاح کرے۔

☆ زندگی سے تقاضا اور گلہ نکال دیا جائے تو سکون پیدا ہو جاتا ہے سکون اللہ کی یاد سے اور انسان کی محبت سے پیدا ہوتا ہے ۔نفرت اضطراب پیدا کرتی ہے ۔اضطراب اندیشے پیدا کرتا ہے اور اندیشہ سکون سے محروم کر دیتا ہے۔

☆ آپ کی اپنی تسلیم ہی کا نام اللہ ہے ۔باہر کی دنیا میں اللہ کے لاکھ مظاہر ہوں ۔آپ سے آپ کے اللہ کا تعلق اتنا ہے جتنا کہ وہ آپ کی تسلیم و رضا میں ہے۔

☆ اگر سکون چاہتے ہو تو دوسروں کا سکون برباد نہ کرو۔اللہ سے معافی چاہتے ہو تو لوگوں کو معاف کر دو ۔اللہ کا احسان چاہتے ہو تو لوگوں پر احسان کرو۔نجات چاہتے ہو تو سب کی نجات مانگو۔

☆ ممکن اور ناممکن ہماری اپنی سوچ پر منحصر ہے۔خدا کیلئے تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔

# سفر نامہ کروایشیا (قسط نمبر ۳)

## طارق محمود (راولپنڈی)

کروایشیا میں قیام کی ایک دلچسپ بات ہماری ایک مقامی نوجوان ڈبراؤ کو سے ملاقات تھی جو کئی اور ملاقاتوں کا سبب بنی ، اِس اتفاقیہ ملاقات کا تذکرہ پچھلی قسط میں آ چکا ہے۔حسب توقع دبراؤ کو نے ہمیں اپنے گاؤں میں آنے کی دعوت دے دی تھی جو کم از کم میری تو شدید خواہش تھی ایک ویک اینڈ پر میں اور اشتیاق عازمِ سفر ہوئے ۔صبح دس بجے بذریعہ ٹرین روانگی ہوئی۔ ساڑھے چار گھنٹے کا سفر تھا۔سیکنڈ کلاس کا کمپارٹمنٹ ، ہمارے فسٹ کلاس سیلپر سے کہیں بہتر حالت میں تھا۔سیٹوں کے درمیان Arm Rest جو ہمسفر کے ناخوشگوار لمس سے محفوظ رکھتے ہیں۔ایک کمپارٹمنٹ میں سامان رکھا تو پہلے سے موجود ایک بے ہنگم شخص کو دیکھ کر سخت کوفت ہوئی ۔تھوری سی تلاش کے بعد ایک کمپارٹمنٹ مل گیا جس میں ایک معقول شخص دکھائی دیا۔یہ ایک مکینیکل انجینئر تھا۔آزاد منش اور رصاف کو، مذہب کی قیدو بند سے آزاد گپ شپ شروع ہوئی تو میں نے پوچھا کہ موجودہ زندگی کے بعد کسی حیات کے قائل ہو یا نہیں ؟ہنس کے بولا کہ مجھے حیات بعدالموت سے کوئی دلچسپی نہیں ۔یہی زندگی اچھی گذر جائے تو کافی ہے۔مذہب سے اس کا تعلق بس اتنا ہی تھا جیسے ہمارے ہاں اکثر شرفاء کا جو کہ عیدین تک ہی محدود ہوتا ہے۔نظامِ تعلیم پر گفتگو چل نکلی تو اس نے بتایا کہ پرائمری تعلیم کا اہتمام یہاں تک ہے کہ ایک جزیرے سے کچھ بچے ایک دوسرے جزیرے میں بذریعہ Ship جاتے ہیں جسکے اخراجات حکومت ادا کرتی ہے۔

میں نے اس سے پوچھ کر جزیروں کے نام نوٹ کر لئے تو مزاحاً کہنے لگا کہ اب جہاز کے پائلٹ کا نام تو نہیں پوچھیں گے؟ بہرحال خوب آدمی تھا۔ہماری منزل قریب آنے پر اِس نے دبراو کو فون بھی کر دیا کہ اِسکے مہمان پہنچنے والے ہیں۔

دبراو کو کے گاؤں کا نام Bizovac ہے جسکو بزووٹز پڑھا جاتا ہے یعنی C ہمیشہ tz کی آواز دے گا، سٹیشن پر اُترتے وقت، اشتیاق نے ایک عمر رسیدہ خاتون کو سامان نیچے اُتارنے میں مدد دی تو اس نے بطورِ خاص دبراو کو کو ہمارے بارے میں تعریفی کلمات کہے اور بہت ممنون ہوئی۔

ڈیراوکو کے ساتھ اِس کی کار میں روانہ ہوئے تو اِسکی خواہش تھی کہ ایک جھلک اِسکے گاؤں کی دیکھ لی جائے۔ ایک Cafe میں کافی اور آئس کریم کا دور چلا اِس کے سر پر ایک زخم نظر آیا، جو بقول اِس کے کمرہ سیٹ کرتے ہوئے بلب کا کور ٹوٹ کر گرنے سے آیا تھا۔ زخم کی مرہم پٹی کیلئے اِسکے ایک دوست 'آنا' کے گھر گئے۔

تین بجے ہم ڈیراوکو کے گھر پہنچ گئے، گھر کیا تھا ایک اچھی قسم کا فارم ہاؤس تھا جیسے ہمارے ہاں چک شہزاد کے علاقے میں ہیں، شروع میں وسیع لان، پھر رہائشی حصہ تمام سہولیات سے مزین اِسکے بعد مرغیوں اور سوروں کیلئے اور آخر میں سبزیوں وغیرہ کیلئے۔

چکن روسٹ کر کے رکھا ہوا تھا۔ ابھی کھانے کا مرحلہ شروع نہیں ہوا تھا کہ اِس کی والدہ آ گئی جو ایک قریبی ہوٹل میں ملازمت بھی کرتی ہے۔ اس نے ڈیراوکو کی سرزنش کی کہ میز پر کپڑا وغیرہ کیوں نہیں بچھایا؟ پھر اِس نے سوپ اور سلاد کا اہتمام کر کے کھانا شروع کرنے دیا۔

والد اِس کا لان کی گھاس کی کٹائی اور پودوں کی تراش خراش میں مشغول تھا۔ انگریزی سے نابلد ہونے کے سبب گفتگو سے قاصر۔

کچن میں استعمال کے برتنوں کا ایک بہت اچھا سیٹ ہمیں اونے پونے داموں مل گیا تھا۔ جو دراصل ایک پہلے آنے والے صاحب کسی وجہ سے ساتھ لے کر نہ جا سکے تھے، یہ ایک بہت عمدہ تحفہ تھا جو ہم ڈیراوکو کیلئے لے گئے تھے۔ جس پر اِسکی والدہ نے بہت احتجاج کیا کہ اتنا مہنگا تحفہ کیوں لیا؟ بہت شکریے کے ساتھ انہوں نے قبول کیا۔

## یہ رشتہ و پیوند:

کھانا کھا کر ابھی دم لے رہے تھے کہ ڈیراوکو کی ایک شناسا 'روزنا' می آ گئی۔ ڈیراوکو کے توسط سے اِس سے تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ یہ نیک بخت طلاق یافتہ ہے اور از روئے معاہدہ، بچے کو Week End کیلئے سابقہ خاوند کے پاس چھوڑ کر آ رہی ہے۔

میں نے پوچھا کہ طلاق کا سبب کیا بنا؟ جواب گول مول سا، روایتی گھریلو ناچاقیاں، وہی خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی وجہ عناد و فساد، میں نے پوچھا کہ تم لوگ بہت چھان پھٹک شادی

سے پہلے کر چکتے ہو، پہلے یہ سب نہ دیکھا تھا؟ کافی کریدنے پر اس نے تسلیم کر ہی لیا کہ اصل بات یہ ہے کہ اُسے اب میری بجائے کسی اور سے دلچسپی ہو گئی ہے اور مجھے یہ منظور نہ تھا۔ اب یہ بچہ ہی میری امیدوں کا مرکز ہے۔ میں نے سوچا کہ کیا ضمانت ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر اِس کی آسودگی کا باعث بنے گا؟ یہ بھی تو اِسی مادر پدر آزاد معاشرے کا فرد ہو گا۔ اِس کیلئے رشتوں کی کیا اہمیت ہو گی لیکن۔

اگر نہ ہو یہ فریبِ ہستی، تو دم نکل جائے آدمی کا۔

رات کو 'آنا' کو ہمراہ لے کر دیراوکو ہمیں ایک قریبی قصبے میں لے گیا، جہاں اِس کا ایک اور دوست زاعم بھی طے شدہ پروگرام کے مطابق موجود تھا، زاعم کا والد مسلمان اور والدہ عیسائی تھی۔ والد کے فوت ہونے کے سبب یہ ماں کے زیر اثر عیسائی بن گیا، **الناس علی دین آبائهم** زاعم کے ساتھ ایک بچی بھی تھی جو اِس کی بھانجی تھی، اِس بچی کے ماں باپ بھی ناچاقی کے سبب علیحدہ ہو چکے ہیں۔ یہ بچی اِس سے کافی مانوس ہے اور یہی اِس کو ماں باپ کے حصے کی شفقت دیتا ہے۔

یورپ کے لوگوں کی ایک انوکھی بات اِن کا عمومی رویہ ہے کہ ہفتے کے پانچ دن تو بہت معقولیت دکھائی دیتی ہے۔ کوئی اونچا بولتا یا چیختا چلاتا نظر نہیں آتا لیکن Week End شروع ہوتے ہی فضا ذرا متحرک سی ہو جاتی ہے، نائٹ کلب اور ریسٹورنٹ میں بے ہنگم اور بلند موسیقی اور شور و شعب، جیسے پانچ دن کے بعد رہائی ملی ہو۔

الوداعی پارٹی میں (یونیورسٹی کی طرف سے) کسی نے سوال پوچھا کہ لوگوں کے رویے کے بارے میں تاثرات اگر ایک جملے میں بتانے ہوں تو کیا کہیں گے؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ ہفتے کے پانچ دن بہت اچھے اور آخری دو دن ناقابل برداشت، ہنس کے کہنے لگے کہ مقامی شخص اِس سوال کا جواب اِس سے اُلٹ دے گا کیونکہ ہم لوگوں کیلئے آخری دو دن ہی حاصل ہیں پورے ہفتے کا۔ اِس قصبے میں آخری آئٹم ایک کلب نما جگہ تھی جہاں دیراوکو کی کچھ شناسا خواتین ملیں جن سے مل کر خاصا خوش تھا۔ شاید کافی عرصے بعد ملا تھا اِن سے!

## ایک ناخوشگوار واقعہ:

یہ واقعہ سنانے سے پہلے ایک بات بتانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ پچھلے دنوں فلسطین کے یاسر عرفات کی نظر بندی کے دنوں کی ایک گفتگو CNN پر بار بار دکھائی گئی جس میں وہ کافی طیش کے عالم میں اپنی بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ

Is this Acceptable to UNO? I ask you,
Is this Acceptable to America?

اِس فقرے کو ذرا مختلف مواقع پر استعمال کیا گیا۔ اب آیئے اِس تکلیف دہ واقعے کی طرف۔
جب ہم دیراوکو کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو ترتیب یہ تھی کہ کار دیراوکو چلا رہا تھا ساتھ 'آنا' بیٹھی تھی۔ پیچھے میں اور اشتیاق۔ ہم سب ایک ہی فضا سے واپس آ رہے تھے لیکن کیفیات مختلف۔ دیراوکو اپنے لئے شریک حیات کے تصورات میں کھویا ہوا، آخری مقام پر ملنے والی لڑکی کا تذکرہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اشتیاق کو گھر پہنچ کر سونے سے دلچسپی تھی۔ 'آنا' اپنے ناروے کے سفر کے بارے میں غور و فکر کر رہی تھی اور میں۔۔۔سوچ رہا تھا اِس تضاد کے بارے میں جو یہاں کے باسیوں کے طور اطوار میں پایا جاتا ہے ہفتے کے پہلے پانچ اور آخری دو دنوں میں۔
کچھ وقت ہمارا ایک گرجا میں بھی گذرا تھا۔ واپسی سے پہلے میں اِس سوچ میں ڈوب گیا کہ کیا یہ لوگ بھی ایسے ہی بائبل کو مانتے ہیں جیسے ہم کلمہ کو قرآن کو؟ مذہب کے معاملے میں کیا ہر جگہ بنی نوع انسان کا رویہ ایک جیسا ہی ہے؟ یہی سوچتے سوچتے میں نے دیراوکو سے کہا کیا تمہاری سوسائٹی بائبل پر اعتقاد رکھتی ہے۔ کہنے لگا ہاں۔ ہم کیتھولک عیسائی ہیں۔ میں نے کہا یہ جو کچھ دیکھ کر ہم آ رہے ہیں، کیا یہ بائبل کی تعلیمات سے کچھ مطابقت رکھتا ہے؟
دیراوکو نے اعتدال سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اِس دور میں بائبل پر حرف بہ حرف عمل کرنا تو مشکل ہے کیونکہ کئی باتیں قابل عمل نہیں ہیں۔ اب میں نے ذرا جارحانہ انداز میں پوچھا۔

Is this type of Belief Acceptable to Bible?
& Is this belief acceptable to God ?

اِس نے زچ ہو کر جواب دیا کہ میں فرشتہ بننے سے تو رہا۔ آخر مجھے اِسی ماحول میں رہنا

ہے۔تو آپ کیوں مجھ سے کچھ مخصوص الفاظ اگلوانا چاہتے ہیں؟ میں نے بھانپ لیا کہ وہ اِس سوال کو ہضم نہیں کر سکا اور اسے ذات پر حملہ تصور کر رہا ہے۔ حالانکہ کچھ لوگوں نے اِس سنگین سوال کا جواب بڑے سکون سے دیا تھا۔ شاید یہ وقت اس طرح کی گفتگو کیلئے مناسب نہ تھا۔ ویسے بھی ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب۔ کوئی یورپین بھی شاید بائبل کا تذکرہ اتنے جارحانہ انداز میں، خوشدلی سے نہ سن سکتا۔

میں نے موقع کی نزاکت سمجھتے ہوئے بات ختم کر دی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اِس بیچارے کے رومانوی موڈ کا بیڑا غرق ہو چکا تھا اور وہ بہت بے کیف ہو چکا تھا اتنے میں آنا کا گھر آ گیا جہاں کچھ دیر وہ اپنی زبان میں آنا سے گفتگو کرتا رہا۔ وہ شاید اسکو یہی سمجھا رہی تھی کہ میرا مقصد اِس کی دلآزاری نہ تھا بلکہ اپنی معلومات کیلئے یہ سب سوال جواب ہوئے تھے، وہ دونوں کافی دیر تک بات کرتے رہے یا پھر مجھے یہ وقفہ بڑا طویل محسوس ہوا۔ اشتیاق نے سیٹ پر سر رکھ کر سونے کی بھرپور اداکاری کی اور اپنے آپ کو اس معاملے سے مکمل طور پر لاتعلق رکھا۔ اصل میں وہ خود بھی میرے اِس سوال کے زخم خوردہ تھے اِس لئے میری اِس مشکل کو انہوں نے خوب انجوائے کیا، جیسے زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ! آیا مزہ اِس موضوع کو چھیڑنے کا۔

باتیں اُن دونوں کی سمجھ نہیں آ رہی تھیں لیکن محسوس پوری طرح ہو رہی تھیں، جبری خوش اخلاقی برتتے ہوئے گھر آئے۔ اشتیاق اور دیرا او کو نے دوپہر والا چکن گرم کر کے کھایا، مجھے مطلق طلب نہ تھی۔ یوں نہایت گرمجوشی سے شروع ہونے والا دن، ایک بے کیف رات پر منتج ہوا۔ ہر عیش بالآخر مکدر ہو کر رہتا ہے۔

**رات کاٹی خدا خدا کر کے:** سونے سے پہلے میں نے اشتیاق سے کہا کہ خراٹوں کا مسئلہ میرے ساتھ ہے لہٰذا تمہیں اجازت ہے کہ شروع ہو جائیں تو مجھے ذرا ہلا دینا۔ خراٹے بند ہو جائیں گے۔ سونے کے کچھ دیر بعد سینے پر کچھ حرکت محسوس ہوئی۔ آنکھ کھلی تو سمجھ آ گئی کہ اشتیاق ہی تھے۔ منہ کو بھینچ کر بند کیا کہ اِس عزیز کو دوبارہ شکایت نہ ہو لیکن تدبیر کند بندہ تھوڑی دیر بعد پھر شروع ہو گئے ہونگے۔ ایک بار پھر آنکھ کھلی کسی نامعلوم وجہ سے جو یقیناً اشتیاق کے ہلانے

سے ہی کھلی۔ پھر بھرپور کوشش کی کیونکہ اِس اذیت کا اندازہ مجھے بخوبی ہے اور کسی دوسرے کے خراٹے میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ بہرحال جب یہی مخصوص دستک سینے پر تیسری بار سنی تو اُٹھ بیٹھا صبح چار اور پانچ بجے کے درمیان کا وقت ہوگا۔ اِس کے بعد میرے لئے تو سونے کا حکم ہی نہیں۔ اب باری تھی اشتیاق کے سونے کی۔ بیچارے نے کس اذیت سے رات کاٹی، یہ کوئی اِسکی ڈائری پڑھ کر دیکھے۔ رات گئی بات گئی۔ صبح اُٹھے تو ناشتہ تقریباً دس بجے کیا گیا۔ باقیماندہ پروگرام کا ذکر چھڑا۔ ڈیراوکو کے والدین کا اصرار تھا کہ ہمیں اگلے دن یعنی سوموار تک رُکنا چاہئے جبکہ ہم نے آج ہی یعنی اتوار کو شام 4 بجے واپسی طے کر رکھی تھی۔ ڈیراوکو کا کہنا تھا کہ اتنے تھوڑے وقت میں ایک نزدیکی شہر 'اوسیک' سے ہو کر آنا مشکل ہے۔ افراتفری کا عالم ہوگا۔ اِس لئے ہمیں رات آرام کرنا چاہیے، لیکن اشتیاق کیلئے رات گذارنا انگاروں پر لوٹنے کے مترادف تھا۔ اِن دونوں حضرات کو بجانب حق جانتے ہوئے میں نے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ ہم رات ساڑھے بارہ بجے والی ٹرین پکڑ لیں جو کہ صبح پانچ بجے زیگرب پہنچا دے گی اور یوں تمام دن ہمارے پاس ہوگا، بات فوراً تسلیم کر لی گئی یوں تقریباً گیارہ بجے ہم تینوں 'اوسیک' کیلئے روانہ ہوئے۔

رات کے واقعے کو لگتا تھا کہ کوشش کر کے بھلا دیا گیا ہے۔ اشتیاق کے انداز سے مجھے ظاہر ہوا تھا کہ آیا مزہ اِس موضوع پر ایسی بحث کا۔ اصل میں اشتیاق کو اِس حساس موضوع پر بات کرنا بالکل پسند نہیں۔ چونکہ موضوع ذرا خشک بھی ہے اور اِس کی زد بھی ہر اِس شخص پر پڑتی ہے جو کسی نہ کسی عقیدے سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اِس وقت تمام معاشرے اِس کشمکش کا شکار ہیں۔ عقائد کچھ اور ہیں، عمل کچھ اور لیکن کیا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے یا شترمرغ کی طرح ریت میں گردن چھپا کے، مطمئن ہوا جا سکتا ہے۔

جب تک اپنے معاملات کا بے رحمی سے احتساب نہ ہو، تو تبدیلی کے امکانات کیسے پیدا ہونگے؟

# ترانۂ توحیدیہ

ہر وقت تصور ہے تیرا، ہر وقت سرور و مستی ہے

تم خود ہو مجسم میخانہ، آنکھوں سے شراب برستی ہے

ذرا گھونگھٹ رُخ سے اُٹھا جانا، تیری دید کو آنکھیں ترستی ہیں

بھلا اس میں بگڑتا ہے کیا تیرا میرے دل کی دنیا بستی ہے

ساغر میں کہاں یہ رنگینی، صہبا میں یہ ساقی کیف کہاں

یہ تیری نظر کا صدقہ ہے یہ تیری نظر کی مستی ہے

مخمور جوانی میں کوئی فردوس بداماں آتا ہے

گلشن کی فضائے ہستی میں پھولوں کی شراب برستی ہے

اے جان تمنا حزیں ، اے حاصل ایماں حاصل دیں

قربان میں تیرے قدموں پہ کیا دل کیا دل کی ہستی ہے

## بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
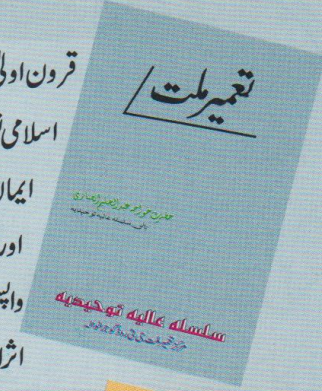
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
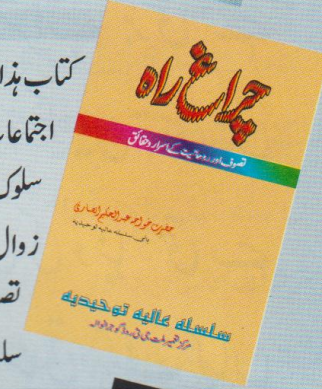
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
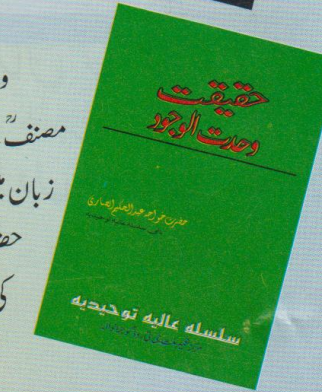
**Reg: SR - 01**

**Website: www.toheedia.net**